Rs.60/-

اگست، ستمبر ۲۰۱۹ء

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیات نو دہلی

اشاعت خاص

مدارس اسلامیہ کی ہم نصابی سرگرمیاں

جامعة الصفة ورنگل

دیشائی پیٹ روڈ، ورنگل (تلنگانہ)

دعوت دین واقامت دین کیلئے ایک تعلیمی تحریک

الحمدللہ جامعۃ الصفہ ورنگل اپنے مقاصد کی تکمیل کا جہاں سولہواں سال مکمل کر رہا ہے، وہیں پر تحریکی حلقوں میں بھی ایک معروف منفرد ادارے کی حیثیت حاصل کر چکا ہے۔ 2005 تا 2018 کے عرصے میں بفضلہٖ تعالیٰ 86 طلباء حفظ القرآن کی تکمیل کر چکے ہیں۔ جب کہ گذشتہ چھ برسوں میں 12 طلباء دستار فضیلت سے سرفراز ہو کر تحریک اسلامی کی سعی وجہد میں اپنا عملی کردار نبھا رہے ہیں۔

جامعہ کے شعبہ عالمیت میں چار سالہ اور فضیلت کا دوسالہ کورس رکھا گیا ہے، جس میں تشنگان علم وخادمان دین اپنے علم کی پیاس بجھا رہے ہیں تاکہ معاشرے میں وہ اپنا منصبی فریضہ ادا کر سکیں۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ فارغین جامعہ میں دین کی صحیح فکر، اقامت دین کی تڑپ، عصری علوم سے اتنی واقفیت، مہارت، بصیرت پیدا کی جائے کہ وہ زمانے کے ہر چیلنج کا مطلوبہ اسلوب میں مقابلہ کر سکیں۔ جامعہ میں اس وقت ریاست تلنگانہ وآندھراپردیش کے مختلف اضلاع کے علاوہ دیگر کچھ مقامات کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں اور تقریباً سارے ہی طلباء دارالاقامہ میں مقیم ہیں۔ ان کی رہائش، طعام وتعلیم کے اخراجات اہل خیر حضرات کے تعاون وسرپرستی میں مکمل کئے جاتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطائے فرمائے) طلباء کو انگریزی وعلاقائی زبان تلگو بھی پڑھائی جاتی ہے تاکہ وہ برادران وطن میں دعوت دین کا کام انجام دے سکیں۔ اس کے علاوہ جامعہ میں کمپیوٹر لیاب بھی موجود ہے۔ انشاءاللہ جامعہ کی دوسری منزل کی تعمیر اسی سال پیش نظر ہے۔ ادارے کا ماہانہ خرچ -/2,20,000 روپے ہے۔ سالانہ اخراجات اور تعمیر کیلئے ادارہ دردمندان ملت کے بہی خواہاں تحریک سے دست تعاون کی امید بھی رکھتا ہے۔

نوٹ: کاکتیہ یونیورسٹی اور دیگر کالجوں میں اعلیٰ عصری علوم کے لئے شہر ورنگل آنے والے طلباء کی دینی واخلاقی تربیت اور بہتر رہائش کے علاوہ حصول تعلیم میں یکسوئی کے پیش نظر جامعۃ الصفہ کے ہاسٹل میں رہائش کی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔ چنانچہ جامعہ کے ہاسٹل میں پروفیشنل کورس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء مقیم ہیں۔ الحمدللہ اس کے اچھے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

تعاون کی شکلیں : شعبہ حفظ وعالمیت کے طلباء کی کفالت کیلئے سالانہ فی طالب علم -/20,000 ہزار روپے ہے۔ اساتذہ وغیر تدریسی عملہ کی تنخواہوں کیلئے ماہانہ -/95,000 روپے اس کے علاوہ اور دیگر ضروریات۔۔۔۔

بانی وناظم جامعہ محمد خواجہ عارف الدین

پیغام عمل

طلباء کی ذہنی وفکری تربیت اور عملی جدوجہد کیلئے ناظم جامعہ جناب محمد خواجہ عارف الدین کی بعد نماز عشاء روز آنہ کی گئی فکری واصلاحی تقریروں کے مجموعے "پیغام عمل" (کتابی شکل) کو عام طور پر تحریکی حلقے میں کافی پسند کیا گیا ہے چنانچہ اب اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کر دیا گیا ہے۔ جامعۃ الصفہ کے علاوہ مکتبہ اسلامی سب ڈپو چھتہ بازار، حیدرآباد سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ (قیمت -/150)

JAMIA-TUS-SUFFAH, H.No. 11-24-314, Deshaipet Road, Warangal. (T.S.) India
Phone : +91-870-2424576, Cell: +91-98490 04547,
A/c. No. 444351498, Indian Bank, Mandi Bazar, Warangal. IFSC : IDIB000W004

SUFFAH HIGH SCHOOL

27 YEARS

English Medium, Nursery to X Class

Mandi Bazar, Warangal 506002 (Telangana)

Providing Excellence in Education Since 27 Years

Suffah High School was established in the year 1991 and since 27 years providing excellence in school education. We provide the best infrastructure for the students to get modern education in an islamic environment. Preparing the students for their better future here and hereafter

Our Facilities

* Moral Education
* Play Way Learning
* Arabic Classes
* Digital Class
* Coputer Lab
* Science Lab

Mohd. Khaja Arifuddin
Founder & Chairman

Dr. Aziz Ahmed Ursi
Founder Sec & Correspondent

Contact us @ 91870-2424086, 9700054253 email: suffah.shs@gmail.com

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیاتِ نو

مدیر مسئول: سید راشد حامدی   مدیر اعزازی: ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی

جلد: ۴،   شمارہ: ۸، ۹،   اگست۔ستمبر ۲۰۱۹ء/ذی الحجہ۔محرم۔۴۱۔۱۴۴۰ھ

ادارتی امور کے لیے رابطہ کریں: 8287025094، 9927206518

انتظامی امور کے لیے رابطہ کریں:: 8010803147۔9015958467

ای میل: jareedahayatenau@gmail.com

مجلس ادارت

محمد اسماعیل فلاحی	علی گڑھ
زبیر ملک فلاحی	لکھنؤ
انیس احمد فلاحی	جامعۃ الفلاح

فی شمارہ	:اندرون ملک	۳۰/روپئے
	بیرون ملک	۵/امریکی ڈالر
خصوصی شمارہ	:	۶۰ روپے
سالانہ زرتعاون	:اندرون ملک	۳۰۰/روپئے
	بیرون ملک	۲۰/امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ	:اندرون ملک	۵۰۰۰/روپئے
	بیرون ملک	۳۰۰/امریکی ڈالر

- رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
- مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by Sayyed Rashid Hamdi ,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla,New Delhi-110025. **Printed at**: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Editor: Ziauddin Falahi**

نقوشِ حیات

اداریہ	ضیاءالدین فلاحی	۷
دینی مدارس میں ہم نصابی سرگرمیوں کی ضرورت	محمد رضی الاسلام ندوی	۱۲
ہم نصابی سرگرمیاں	انعام اللہ فلاحی	۱۵
جدید نظام تعلیم میں اساسی علم کی شمولیت ناگزیر	محمد محفوظ خان فلاحی	۲۱
جامعۃ الفلاح کا نظام تربیت [آپ بیتی]	عبیداللہ فہد فلاحی	۳۱
مدارس میں داعیانہ تربیت کا غیر تدریسی نظام	توقیر عالم فلاحی	۵۴
تعلیم وتربیت کے چند اصول	ذکی الرحمٰن غازی مدنی	۶۴
مدارس کا مطلوبہ نظام تعلیم وتربیت	شمشاد حسین فلاحی	۷۵
فارغین مدارس اور حکومتی اسکیمیں	نوراللہ خان فلاحی	۸۰
تربیت اور کھیل کا دفتر کھلا!	امتیاز وحید	۸۵
مولانا محمد عیسیٰ قاسمیؒ کی درخشاں خدمات	محمد افضل فلاحی	۱۰۱
ایک تاریخی ’رپورتاژ‘	ظفر احمد الاثری	۱۱۲
بزم ادب	صابر رحیمی، سرفراز بزمی، ضمیر اعظمی	۱۴۴
جامعہ کے لیل ونہار	مصباح الباری فلاحی	۱۴۷
اخبار انجمن	ادارہ	۱۵۳

مقالہ نگاران

۱- ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی

مدیر حیات نو

ziauddin.malik.falahi@gmail.com

۲- ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

رکن مجلس شوریٰ جامعۃ الفلاح، سکریٹری جماعت اسلامی ہند

mrnadvi@gmail.com

۳- مولانا انعام اللہ فلاحی

سکریٹری انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

ifalahi@gmail.com

۴- مولانا محمد محفوظ خان فلاحی

بانی جامعۃ الحکمہ، بھوپال، مدھیہ پردیش

۵- پروفیسر عبید اللہ فہد فلاحی

صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

drfahadamu60@yahoo.in

۶- پروفیسر توقیر عالم فلاحی

سابق صدر شعبہ سنی دینیات، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

towqueer@yahoo.in

۷- مولانا ذکی الرحمٰن غازی مدنی

استاد، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی

zakighazi786@gmail.com

۸- جناب شمشاد حسین فلاحی

مدیر اعلیٰ ماہ نامہ حجاب، دہلی

alhijab2003@yahoo.com

۹- جناب نوراللہ خان فلاحی

صدر انجمن طلبۂ قدیم دہلی یونٹ، چیرمین گریٹ انڈیا فاؤنڈیشن، نئی دہلی

khan650@gmail.com

۱۰- ڈاکٹر امتیاز وحید

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، کولکاتہ یونیورسٹی

ljnuwaheed@gmail.com

۱۱- ڈاکٹر محمد افضل فلاحی

رکن مجلس شوریٰ جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ، یوپی

@gmail.com

۱۲- مولانا ظفر احمد الاثری فلاحی

لندن

asarizafar@hotmail.com

۱۳- جناب صابر رحیمی

سدھارتھ نگر یوپی

kalam1482@gmail.com

۱۴- جناب سرفراز بزمی

سوائی مادھوپور، راجستھان

۱۵- جناب ضمیر اعظمی

شعبۂ مالیات، مرکز جماعت اسلامی ہند

zameerazmi@gmail.com

۱۶- مولانا مصباح الباری فلاحی

استاد، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت اسلامی ہند

جماعت اسلامی ہند

✆ : 91-11-26941401
26951409, 26948341
Fax : 91-11-26950975

Jamaat-e-Islami Hind

जमाअत इस्लामी हिन्द

D-321, DAWAT NAGAR, ABUL FAZL ENCLAVE, JAMIA NAGAR, NEW DELHI - 110 025
e-mail : markazjih@gmail.com www.jamaateislamihind.org

Ref. No. .... Date........................

پیغام

یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ ماہ نامہ حیاتِ نو اعظم گڑھ کا ایک خصوصی شمارہ 'مدارس اسلامیہ کی ہم نصابی سرگرمیاں' کے عنوان سے نکل رہا ہے۔ امید ہے اسے دینی، علمی اور تعلیمی حلقوں میں قبول عام حاصل ہوگا۔

دینی مدارس میں عموماً نصابی کتابوں کی تدریس پر توجہ دی جاتی ہے اور غیر تدریسی اور ہم نصابی سرگرمیوں کے معاملے میں طلبہ کی ہمت افزائی نہیں کی جاتی۔ اس سے طلبہ کی صلاحیتوں میں ہمہ جہت ارتقاء نہیں ہو پاتا۔ الحمد للہ اس پہلو پر جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ نے خصوصی توجہ دی ہے۔

انجمن طلبۂ قدیم، جامعہ کی کے تعلیمی معیار کی بلندی کے بارے میں فکر مند رہتی ہے اور اس کے لیے مسلسل کوشاں رہتی ہے۔ اس کے ترجمان مجلّہ کا شمار معیاری مجلّات میں ہوتا ہے۔ یہ خصوصی شمارہ بھی ان شاء اللہ افادیت کا حامل ہوگا۔

میں مجلّہ کے ذمے داروں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور ان کی اس کاوش کو قدر و تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔

جلال الدین عمری

سید جلال الدین عمری
(سابق امیر جماعت اسلامی ہند)
۳/ اکتوبر ۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Anjuman Talaba-e-Qadeem
Jamiatul Falah

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

Ref No. ....

Date ....

پیغام

اللہ تعالیٰ کا نہایت فضل واحسان ہے کہ انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کے ترجمان جریدہ حیاتِ نو کا 'مدارس اسلامیہ کی ہم نصابی سرگرمیاں' کے عنوان پر خصوصی شمارہ منظر عام پر آرہا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ حیاتِ نو نے اپنی تابندہ روایت کو باقی رکھتے ہوئے مختلف جہات پر مشتمل ایک حسین گلدستہ قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس خصوصی شمارہ میں قدیم وجدید اداروں سے وابستہ افراد کی قابل قدر تحریریں ہیں، اس کے لیے مدیر محترم شکریہ کے مستحق ہے۔

مدارس کے نظام تعلیم ونصاب تعلیم پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس موضوع پر درجنوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور سیکڑوں مقالات لکھے جا چکے ہیں، مگر اس کے باوجود یہ موضوع اپنی اہمیت، حساسیت اور تنوع کے اتار چڑھاؤ کے سبب آج بھی زندہ موضوعات میں سے ہے۔ وقت کی اس ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے مجلّہ کے ارباب حل وعقد نے مناسب فیصلہ لیا جس پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

مدارس اسلامیہ اس وقت چوطرفہ یلغار کی زد میں ہیں۔ ایک طرف جہاں حکومتی گلیاروں سے مدارس پر مسلسل یلغار ہو رہی ہے، وہیں ملت اسلامیہ کے اندر بھی ایسے عناصر پائے جاتے ہیں جنھیں مدارس میں ہر چیز منفی نظر آتی ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ مدارس اسلامیہ کو داخلی اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔ زمانے اور حالات کے لحاظ سے تغیر اور تبدیلی کے ذریعہ مدارس اپنے حقیقی کردار سے عامۃ الناس اور بالخصوص اہلِ علم ودانش کو روشناس کر سکتے ہیں۔

روز مرہ کے پیدا ہونے والے مسائل اور درپیش چیلنجز نے اہلِ مدارس کو اس بات پر متوجہ کیا ہے کہ وہ خود اپنا محاسبہ کریں اور نئی ترجیحات کا تعین بھی کریں۔ اسی طرح وہ معاشرے میں اپنا کردار اور اپنی اہمیت وافادیت ثابت کریں۔

ہمیں امید ہے کہ یہ شمارہ اہل علم بالخصوص مدارس سے وابستہ طلبہ واساتذہ کرام کے لیے ایک سنگ میل کی حیثیت سے لیا جائے گا اور زیر بحث موضوعات پر علمی وتحقیقی کام آگے بڑھتا رہے گا۔

مشرف حسین صدیقی
(صدر انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح)
۳ر اکتوبر ۲۰۱۹ء

Bilariyaganj, Azamgarh, U.P. 276121
atq.jamiatulfalah@gmail.com | www.atqjamiatulfalah.org

مدارس اسلامیہ کی ہم نصابی سرگرمیاں

شخصیت کے ارتقاء کے لیے تعلیم اور تربیت لازم وملزوم ہیں لیکن انسانی تہذیب میں ان دونوں قدروں پر بالعموم یکساں توجہ نہیں دی جاسکی ہے۔ چنانچہ انسانی سماج غیر متوازن رویوں کا شکار رہا ہے۔ بسا اوقات معلومات، ڈگریاں اور تخلیقات کی کثرت کے باوجود، تربیت کے فقدان کے سبب معلومات، ڈگریاں اور تخلیقات خود فرد، معاشرہ اور دیگر معاصر انسانی رویوں کے لیے نفع بخش ثابت ہونے کے بجائے مضرت رساں ہونے لگتی ہیں۔ فرد عُجب وغرور کا شکار ہوجاتا ہے، اس کی ڈگریاں دوسروں کے لیے وبال جان بنتی ہیں اور اس کی علمی وسائنسی اختراعات انسانی رویوں کے لیے ہلاکت خیز ہوتی ہیں۔ علم وفضل اور حکمت ودانائی کے مقام بلند پر فائز شخصیات خواہ ان کا تعلق خالص مادہ پرستانہ دانش گاہوں سے ہو یا جو مدارس اسلامیہ کے فیض یافتہ ہوں تربیت کا فقدان دونوں جگہوں پر نفع بخشی سے انہیں محروم کردیتا ہے۔

تحریک اسلامی کے معتبر ماہر تعلیم اور 'فن تعلیم وتربیت' کے مصنف افضل حسینؒ نے اپنی مایۂ ناز تصنیف میں تعلیم وتربیت کے مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ رائج نظام ہائے تعلیم کے نقائص کا جائزہ لیا ہے اور نہایت تفصیل سے تربیتی نظام پر محققانہ بحث کی ہے۔ غیر نصابی مصروفیات کی بابت رقم طراز ہیں:

> ''کتابی علم سے تعلیم کے ہمہ گیر مقاصد ہرگز حاصل نہیں ہوسکتے۔ اس لیے متعدد ایسے مشاغل ومصروفیات کا بھی بندوبست کرنا ہوگا جن میں طلبہ عملی حصہ لے کر اپنی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرسکیں۔ انہیں کو غیر نصابی مصروفیات ومشاغل کہتے ہیں۔ ان کی اہمیت وافادیت نصابی تعلیم سے کسی طرح کم نہیں ہے چنانچہ آج کل مدارس میں ان پر غیر معمولی توجہ دی جارہی ہے۔'' (فن تعلیم وتربیت، ص:۴۰۱)

افضل حسینؒ مدارس میں غیر تدریسی مصروفیات و مشاغل کا خلاصہ کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں:

ا۔ بچوں کے اجتماعات کے لیے ہر جمعرات کو گھنٹے مختصر کر کے ان کے لیے وقت نکالا جائے یہ اجتماعات اساتذہ کی راست نگرانی میں منعقد کئے جائیں، یہ اجتماعات انتظامی اور تربیتی نوعیت کے ہوں جن میں صفائی، آرائش، انتظامات، فلاح و بہبود سے متعلق منصوبے بنائے جائیں اور طلبہ میں انفرادی واجتماعی حیثیت سے ذمے داریاں تقسیم کی جائیں۔ بچے تقریر، مکالمے، کہانیاں، نظمیں، چٹکلے، لطیفے وغیرہ کے ذریعہ مشق کریں گے۔

۲۔ مدرسے کی تقریبات، سرپرستوں کے اجتماعات، مہمانوں کی دیکھ بھال، تقسیم انعامات کے جلسے اور تعلیمی ہفتے منعقد کئے جائیں۔

۳۔ طلبہ کی مختلف قسم کی جمعیتیں مثلاً: عام صحت وصفائی، کھیل کود اور مختلف مقابلوں کا اہتمام ہو۔

۴۔ پکنک، تعلیمی سیر وسیاحت، قلمی رسالہ، دارالمطالعہ، کم زور اور نادار طلبہ کی امداد، بچوں کی دکان، اجتماعی کھانے (مطبخ) کا نظم ہو۔

۵۔ نمائش اور مدرسے کے عجائب خانے کے لیے نوادارت جمع کرنا اور سامان تیار کرنا، میز بانی، عیادت، تیمارداری۔

۶۔ طلبہ کو معاشرتی آداب اور طور طریقے سکھانے، اصول وضوابط کی پابندی کرانے، شرارتوں اور برائیوں سے بچانے، نماز کی پابندی کرانے میں امداد کی جائے۔

موصوف نے غیر تدریسی اعمال کی اہمیت وافادیت پر بھی تفصیل سے کلام کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

بچوں کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی ہم آہنگ تربیت کتابوں کی چیزوں کو عمل میں لاکر عملی انسان بنایا جائے، احساس ذمہ داری، اصول وضوابط کی پابندی، انہاک، ایثار، خدمت وغیرہ کے اجتماعی تعمیری اخلاق کی پرورش، ان کی مخصوص فطری صلاحیتوں کو پہچاننا اور انہیں پروان چڑھانا، مختلف مزاج، طبیعت اور صلاحیت کے بچوں کو مدرسے کی زندگی میں دلچسپی دلا کر تعلیم میں فرار سے بچانا ان اعمال کا خاص وظیفہ ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں یہ فوائد اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ:

ا۔ ہر بچے کو اس کی صلاحیت کے مطابق عملی حصہ لینے کا موقع ملے، کوئی بچہ محروم نہ رہ جائے، سست

اور کم ہمت بچوں کو بھی حصہ لینے پر اکسایا جائے۔

۲۔طلبہ کی دلچسپیوں، خواہشات اور امنگوں کا حتی الامکان لحاظ رکھا جائے۔ تا کہ وہ پوری تن دہی اور انہماک سے حصہ لے سکیں۔

۳۔جائز حدود میں آزادی دی جائے، جبر، دباؤ اور بیجا مداخلت سے پرہیز کیا جائے۔

۴۔کوشش کی جائے کہ نصابی اور غیر نصابی مصروفیات ایک دوسرے کی معاون ہوں اور دونوں میں اعتدال و توازن رہے، ایک طرح کی مصروفیات کی وجہ سے دوسری طرح کی مصروفیات اور صلاحیتیں متاثر نہ ہونے پائیں۔

مدارس میں غیر نصابی سرگرمیاں ذہنی وفکری صلاحیتیوں کی آبیاری کرتی ہیں۔ ان کے ذریعہ تفکر وتخلیق اور عملی میدان کی بے پناہ صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں جن کے ذریعہ ایک طالب علم زندگی کے مسائل کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت سے لیس ہو جاتا ہے۔اس ضمن میں مربی اور اس کے اصول تربیت کی اہمیت سے انکار مشکل ہے۔غیر تدریسی نصاب کو بروئے کار لانے کے لیے اتالیق کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔اس حقیقت سے بھی انکار مشکل ہے کہ ایک مربی (استاذ و اتالیق) کی خدمات کے دائرے نصابی و غیر نصابی مشاغل کے ضمن میں کبھی تو الگ کیے جا سکتے ہیں، لیکن مربی کے لیے بہت کچھ یہ دائرے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ چنانچہ سطور ذیل میں چند قابل عمل پہلو پیش کیے جاتے ہیں:

اتالیقی یا نگرانی ایک بار امانت ہے جس کا حق ہر شخص ادا نہیں کرسکتا بلکہ وہی مربی کامیاب ہوسکتا ہے، جس کو بچوں کی تربیت سے طبعی لگاؤ ہو، جسے بچے اپنا ہمدرد و بہی خواہ سمجھیں، جس کے ایثار، احسانات اور حسن سلوک کا انہیں ذاتی تجربہ ہو، جو خوش مزاج ہو اور جائز حدود میں بچوں کی دلچسپیوں اور فطری تقاضوں کی پوری رعایت رکھتا ہو، جس کی تولیت میں بچے اپنے کو ہر طرح محفوظ اور جس کی صحبت میں اپنے کو مسرور پاتے ہوں، جو بچوں کی خوبیوں کو سراہتا ہو اور کوتاہیوں پر حاکمِ عدالت کے بجائے مصلحِ اخلاق کا رویہ اپناتا ہو، جو ان کی الجھنوں کو توجہ سے سنتا ہو اور ہمدردانہ انہیں دور کرنے کی کوشش کرتا ہو، جو متحمل مزاج ہو، بردبار ہو جو بچوں کی خودداری اور عزتِ نفس کا پاس و لحاظ کرتا ہو، جو خود بھی

فرض شناس ہو، اصول کا پابند اور جذبات پر قابو رکھنے والا ہو، جس کے قول وفعل میں مطابقت ہو، جو اصلاح کی طرف سے مایوس نہ ہو، جو حتی الامکان حسنِ ظن سے کام لیتا ہو۔

(فن تعلیم وتربیت، ص:۱۴۰۱۔۴۰۳)

ماہر تعلیم وتربیت افضل حسینؒ نے سطور بالا میں جن تربیتی امور کی طرف توجہ دلائی ہے وہ ایک مسلمان استاد یا اتالیق کی لازمی وبنیادی خصائص ہیں، جنہیں پروان چڑھانے کے لیے الگ سے جتن کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تاہم انسان سازی ایک مشکل اور سنجیدہ کام ہے، نیز ذہنی یکسوئی کے لیے معاشی فارغ البالی بنیادی ضرورت ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ مدارس اسلامیہ کے ''مربیان'' کی معاشی کفالت کا معیاری نظم ہو۔ تاکہ تہذیب اسلامی کی نشرواشاعت اور اس کے احیاء دین کے لئے کار آمد کل پُرزے مدارس سے فراہم ہوسکیں۔

شخصیت کا حقیقی ارتقاء، اس ارتقاء کے لیے نفع بخش تعلیم اور اس تعلیم کو ثمر بار بنانے کے لیے نصابی وغیر نصابی تربیتی نظام، عصر حاضر میں امت اسلامی کے احیاء کے لیے لازمی غور وفکر کا موضوع بن چکے ہیں۔ اسی ضرورت کے پیش نظر حیات نو کا خاص نمبر شائع کیا جارہا ہے تاکہ اس قضیے کے ایک جزو یعنی غیر تدریسی اور ہم نصابی سرگرمیوں کے ذریعہ طالب علم کی شخصیت کو کارآمد بنایا جائے، مدارس میں رائج ناقص تربیتی نظام کی اصلاح کی جائے اور عصری دانش گاہوں میں اس موضوع کو توجہ کا مرکز بنایا جائے۔ اس شمارے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ کلاسز میں اساتذہ کی راست نگرانی میں حلِ مطالب، عرضِ مسئلہ اور محاضرات کے جو سلسلے جاری ہیں ان کے علاوہ خود طلبہ اور اساتذہ کی نگرانی میں غیر تدریسی اشغال و اعمال سے بھی استفادہ کی صورت حال کا جائزہ لیا جائے تاکہ مدارس میں رائج غیر تدریسی تربیتی نظام کو مزید فعال بنایا جائے اور نصابی وغیر نصابی تربیتی نصاب سے گزار کر اقامت دین کے لیے اکیسویں صدی کی ضروریات کا متحمل ومکتفی طالب علم بنایا جاسکے!

فارغین جامعۃ الفلاح کی خدمت میں جریدہ حیات نو کا یہ خصوصی شمارہ پیش کرتے ہوئے بے پناہ مسرت حاصل ہورہی ہے، کوشش کی گئی تھی کہ مقالات غیر تدریسی اور غیر نصابی سرگرمیوں سے متعلق تیار کرائے جائیں۔ گزشتہ تین ماہ سے مسلسل اعلانات کئے گئے۔ اصحاب قلم سے رابطے کیے

گئے۔ چنانچہ چند مقالات دستیاب ہو سکے۔ الحمد للہ بیشتر مقالہ نگاران نے خصوصی شمارے کے عنوان کا خیال رکھا ہے البتہ چند مقالات کے اندر نصابی اور غیر نصابی دونوں قسم کے آبگینے آ گئے ہیں، جو بہر حال تربیت کے نقطۂ نظر سے مفید اور کارآمد ہیں۔ آخر میں ارباب جامعہ اور اساتذہ کرام کی جناب میں عرض ہے کہ اس مجموعہ میں جو باتیں بھی نوک قلم پر آئیں ہیں یا لائی گئی ہیں، سب کا مقصد **الدین النصیحہ** ہے، حاشا وکلا کسی کی تنقیص یا استہزا ہرگز مقصود نہیں ہے۔ تاہم اگر شیشۂ دل پر کوئی بار آ جائے تو دامن عفو میں ایسی تحریروں کو جگہ دیں۔ امید ہے قارئین اپنی آراء سے نوازیں گے۔ تاکہ غیر نصابی سرگرمیوں کو مدارس میں بار آور اور مفید بنانے کے تعلق سے مزید پیش قدمیاں کی جا سکیں۔ وما توفیقی الا باللہ

ضیاء الدین فلاحی
شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
(۲۹/ستمبر ۲۰۱۹-۲۹ محرم الحرام ۱۴۴۱)

دینی مدارس میں ہم نصابی سرگرمیوں کی ضرورت

(جامعۃ الفلاح کا نمونہ)

محمد رضی الاسلام ندوی

دینی مدارس میں عموماً صرف درسیات پر توجہ دی جاتی ہے، غیر درسی مطالعہ اور دیگر معاون درسی سرگرمیوں کی سہولیات فراہم نہیں کی جاتیں، بلکہ ان کی ہمت شکنی کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے مدارس میں تو طلبہ کو اخبارات و رسائل پڑھنے کا بھی موقع نہیں ملتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حالات حاضرہ سے بالکل نابلد رہ جاتے ہیں۔ انہیں کچھ خبر نہیں ہو پاتی کہ دنیا میں اور خود ان کے ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ اور انہیں کیا کرنا چاہیے؟ اس طرح وہ سماج سے بالکل کٹ جاتے ہیں اور انہیں مناسب مقام و مرتبہ نہیں مل پاتا۔ اس معاملے میں بعض بڑے مدارس کا استثنا ہے کہ ان میں طلبہ کو نصابی تعلیم کے ساتھ غیر نصابی اور معاون نصابی سرگرمیوں کی انجام دہی کا بھی موقع فراہم کیا جاتا ہے اور اس معاملے میں ان کا پورا تعاون کیا جاتا ہے۔ شمالی ہند میں اعلیٰ دینی تعلیم کے مدرسہ جامعۃ الفلاح، بلریا گنج، اعظم گڑھ کو اس سلسلے میں بہ طور نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے۔

مجھے جامعۃ الفلاح کی مجلس منتظمہ کی رکنیت کا شرف حاصل ہے۔ ہر سال دو مرتبہ اس کے اجلاس ہوتے ہیں، جن میں انتظامی معاملات کا جائزہ لینے کے ساتھ اس کی تعلیمی پیش رفت کو بھی دیکھا جاتا ہے، نصاب پر بھی غور کیا جاتا ہے اور حسب ضرورت اس میں ترمیم اور حذف و اضافہ سے کام لیا جاتا ہے۔ تعلیمی کمیٹی کی رپورٹ میں طلبہ کی معاون نصابی سرگرمیوں کا شیڈول بھی پیش کیا جاتا ہے۔ سال رواں کے اجلاس منعقدہ ۲۰۔۲۱ رجولائی ۲۰۱۹ میں شرکت کا موقع ملا۔ اس اجلاس میں حسبِ سابق

خاص طور سے تعلیمی سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کی گئی اور تعلیم کا معیار بلند کرنے کے سلسلے میں تفصیل سے تبادلۂ خیال اور غور وخوض ہوا۔اس موقع پر ہم نصابی سرگرمیوں کی تفصیلی منصوبہ بندی پیش گئی۔ یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ تاریخ، عناوین اور متعلقہ افراد کے ناموں کی صراحت کے ساتھ پورے سال کی منصوبہ بندی کی گئی ہے۔اس منصوبہ کو کتابچہ کی شکل میں شائع کیا جاتا ہے اور اسے تمام اساتذہ اور طلبہ کے درمیان سال کی ابتدا میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، تاکہ سب اسے پیش نظر رکھ کر عمل کر سکیں اور ذمے داروں کی طرف سے وقتاً فوقتاً جائزہ لیا جاتا رہے۔ یہاں پوری تفصیل پیش کرنے کا موقع نہیں ہے۔ بہ طور تعارف کچھ ہم نصابی سرگرمیوں کا تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے:

* ثقافت عامہ کے تحت خطابت (ایک سال میں دس تقریریں)، مضمون نگاری (ایک سال میں چھ مضامین)، غیر درسی کتب کے مطالعہ (ایک سال میں دس کتب)، حسن سیرت و اخلاق، وضع قطع، روزانہ درس گاہ میں اول وقت حاضری اور ہوم ورک کو امتحان سے جوڑا گیا ہے۔ ہر کام پر نمبر متعین کیے گئے ہیں اور کام یابی کے لیے ہر طالب علم کو پچاس نمبر لانا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

* تمام درجات کے لیے غیر درسی کتب کے ناموں کی صراحت کی گئی ہے اور ان کے مطالعہ کے زبانی یا تحریری امتحان کا شیڈول تاریخوں کے ساتھ طے کیا گیا ہے۔اس کے لیے پانچ ٹیسٹ رکھے گئے ہیں۔

* عالمیت اور فضیلت کے طلبہ کے لیے قرآن، حدیث، فقہ وراصول فقہ، علم جرح وتعدیل، تقابل ادیان، عربی ادب اور انگریزی ادب میں مقالات لکھنا لازم کیا گیا ہے اور ان کے جمع کرنے کی تاریخیں متعین کی گئی ہیں۔

* اعلیٰ درجات کے طلبہ اور طالبات کے سامنے مختلف موضوعات پر تذکیر کا انتظام کیا گیا ہے اور متعینہ تاریخوں میں اس کی ذمے داری اساتذہ اور معلمات کو دی گئی ہے۔

* علمی موضوعات پر بیرونی شخصیات کے ذریعے خطبات کا انتظام کیا گیا ہے۔

* ہر سال توسیعی خطبات کا نظم کیا جاتا ہے۔قرآن، حدیث اور سیرت پر گزشتہ سالوں میں خطبات ہو چکے ہیں۔امسال فقہ اسلامی پر خطبات کا شیڈول طے کیا گیا ہے۔طلبہ کے درمیان ان پر مبنی

تحریری مسابقہ بھی کروایا جاتا ہے۔

* امسال جامعہ کے معلمین ومعلمات کا تربیتی ورک شاپ بھی منعقد کیا گیا،جن میں ماہرین کے ذریعے فن تدریس پر لیکچر کروائے گئے اوران کے تجربات سے فائدہ اٹھایا گیا۔

* جامعہ کی سطح پر طلبہ وطالبات کے درمیان مقالہ نویسی کے مسابقے کروائے گئے۔

* طلبہ وطالبات کے درمیان مسابقات برائے حفظِ متون (حدیث واصول حدیث) کا نظم کیا گیا اور پوزیشن لانے والوں کے لیے تشجیعی انعامات کا اعلان کیا گیا۔

ہم نصابی سرگرمیوں کے سلسلے میں جامعۃ الفلاح کی یہ کوششیں بڑی قابل قدر ہیں۔ ان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جامعہ طلبہ وطالبات کی تخلیقی صلاحیتوں میں اضافہ کے لیے کس قدر کوشاں ہے۔دیگر مدارس کے ذمے داران بھی اس نمونے کو اپنا سکتے ہیں۔

●▭●

ہم نصابی سرگرمیاں

انعام اللہ فلاحی

انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے، اسے بے پناہ صلاحیت اور استعداد سے نوازا ہے، تاکہ وہ اس کائنات کی تعمیر وترقی اور مقصد تخلیق میں اپنا مثبت اور فعال کردار ادا کر سکے۔ ان قیمتی اور انمول صلاحیتوں اور اوصاف سے دوسری مخلوقات کو نہیں نوازا گیا ہے۔ یہ اس کے لیے بڑا شرف ہے۔ انسان کی عظمت اس امر میں پوشیدہ ہے کہ وہ ان مخفی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے اور اس کے لیے علمی اور عملی تیاری کرے۔ اس مقصد کے حصول کا ایک بڑا ذریعہ تعلیم وتربیت کا عمل ہے، لیکن یہ کام صرف کتابی علم سے نہیں پورا ہوتا، اس لیے کہ اس کے اندر سیکھنے اور جاننے کی بے پناہ صلاحیت ہے جس کی تکمیل صرف درس گاہ اور کتابی علم سے نہیں ہوسکتی ہے۔ ذوق تجسس کی آسودگی، ذہنی افق کی بلندی اور فکر ونظر کی وسعت کے لیے ضروری ہے کہ طالب علم کو ذاتی مشاہدے اور تجربے کا موقع فراہم کیا جائے۔ باہر کی دنیا کو دیکھنے، پرکھنے اور خود سے کچھ کرکے سیکھنے کا موقع دیا جائے۔ اسی سے ہم نصابی سرگرمیوں کی اہمیت اور ضرورت واضح ہوتی ہے۔ جس کے ذریعہ سے طلبہ کو ہمہ جہت تربیت فراہم کی جاسکتی ہے اور ان کی متوازن ومعتدل شخصیت کی تعمیر ہوسکتی ہے۔ ایک اچھے سماج اور معاشرے کی تعمیر ایسے ہی افراد کے ذریعہ ممکن ہے۔

عام طور پر دینی مدارس میں طلبہ کو کتابی اور درسی تعلیم کا پابند بنا کر رکھا جاتا ہے۔ یہ بات کہی جاتی ہے کہ غیر درسی مطالعہ سے ان کی یکسوئی میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اس ذہنی انتشار کی وجہ سے ان میں مطلوبہ صلاحیت نہیں پیدا ہوسکتی۔ اس سلسلے میں اسلاف کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے کہ وہ جب تعلیم کے لیے نکلتے تھے تو خط تک نہیں پڑھتے تھے۔ فراغت یا اختتام سال پر خط دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ کسی کا انتقال

ہوگیا ہے، کسی کی شادی ہوگئی ہے، کوئی بیمار تھا، وغیرہ۔ بعض مدارس کا رویہ اس معاملے میں آج بھی اتنا سخت ہے کہ وہاں طلبہ کو اخبار ورسائل تک پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے وہ باہر کی دنیا سے ناواقف ہوتے ہیں۔ حالات اور ماحول پر اسلامی تعلیمات کا انطباق نہیں کر پاتے ہیں۔ عقلی اور منطقی استدلال کے ساتھ مخاطب کو مطمئن نہیں کر پاتے ہیں۔ صرف حلال وحرام کا حکم لگاتے ہیں۔

بڑے مدارس میں اب اس طرح کی پابندی نہیں ہے، تاہم ان میں بھی ہم نصابی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی ، بلکہ ان میں حصہ لینے والے طلبہ کو غیر سنجیدہ قرار دیا جاتا ہے اور ان کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، جس کی وجہ سے کچھ ہی طلبہ ان سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔

مدارس میں درج ذیل ہم نصابی سرگرمیاں انجام دی جاسکتی ہیں:

۱۔ مقابلے کا انعقاد

طلبہ کے اندر تقریری، تحریری، حفظ قرآن وحدیث، دیگر متون کے حفظ ، بیت بازی، جنرل نالج کے مقابلوں کا انعقاد کیا جاسکتا ہے۔ مدارس میں کسی نہ کسی سطح پر یہ سرگرمیاں انجام دی جاتی ہیں، لیکن ان کو بہتر بنانے کے لیے سالانہ بین المدارس مقابلوں کا نظم ہو اور ان میں حصہ لینے والے طلبہ کو انعامات دیے جائیں اور بہتر کارکردگی انجام دینے والے مدارس کو بھی توصیفی اسناد اور انعامات سے نوازا جائے تو اس کے بہتر نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔

۲۔ سیروسیاحت

تاریخی اور علمی مقامات کا سفر، صنعتی اور سائنسی اداروں کی سیر، دعوتی اور تبلیغی دورے کرائے جائیں۔ ان اسفار سے طلبہ کی معلومات کا دائرہ وسیع ہوگا، مشاہدے اور تجربے سے انہیں جو معلومات حاصل ہوگی وہ راسخ ہوں گی۔ طلبہ کو جو علمی وعملی تجربات حاصل ہوں گے ان سے ان کی شخصیت کی ہمہ جہت تعمیر ہوسکے گی۔

۳۔ جسمانی ورزش اور کھیل کود کا اہتمام

بعض بڑے مدارس میں کھیل کود کا محدود پیمانے پر نظم ہوتا ہے۔ لیکن اس کا نہ کوئی نگراں ہوتا ہے اور

نہ کوئی ذمہ دار، نہ اس کے لیے کوئی فنڈ مختص کیا جاتا ہے۔دل چسپی رکھنے والے طلبہ خود سے کچھ رقم جمع کرکے اپنے شوق کی تسکین کر لیتے ہیں۔اگر کوئی کھیل کود کے مقابلوں میں دوسرے مدارس کے طلبہ بھی حصہ لیں،خصوصاً دوسرے مسالک کے مدارس کے طلبہ تو اس سے ان کے اندر نظم ونسق،تحمل وصبر اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔دوسرے مسالک کے طلبہ سے نفرت اور شدت میں کمی آئے گی۔کھیل سے طلبہ کی جسمانی صحت میں بہتری آئے گی۔کہا گیا ہے:**العقل السلیم فی الجسم السلیم**۔یعنی صحت مند عقل صحت مند جسم میں ہوتی ہے۔اس کے مطابق کھیل کود کے نتیجے میں طلبہ ذہنی طور پر بھی بہتر ہوں گے۔

۴۔توسیعی لکچرس

موجودہ حالات،علمی موضوعات،تعلیم وتربیت سے متعلق عناوین،نظریاتی وفکری موضوعات،دیگر مذاہب کے بنیادی عقائد اور مذہبی کتب پر توسیعی لکچرس کا اہتمام کیا جائے۔اس سے طلبہ کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔علماء وفضلاء اور دانش وران کے خیالات سے طلبہ کی ذہنی وفکری سطح بلند ہوگی، بڑے لوگوں سے مل کر اور انہیں دیکھ کر اس طرح بننے اور کچھ کرنے کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔نصابی کتب میں جن موضوعات کا احاطہ ممکن نہیں ہوتا ہے توسیعی لکچرس سے اس کی تکمیل ہوسکتی ہے۔

۵۔مدرسے کی آرائش

خوش خطی کے مقابلے کے نتیجے میں اچھے طغرے، اشعار،قرآن کی آیات، احادیث، اقوال زریں،اقتباسات منتخب کرکے مدرسے میں جگہ جگہ آویزاں کرایا جاسکتا ہے۔

۶۔قلمی رسائل

جداری رسائل وغیرہ کا اہتمام کیا جاسکتا ہے،اس سے طلبہ کی تحریری صلاحیت میں نکھار پیدا ہوگا۔

۷۔شجرکاری

کیاریوں میں پودوں کی آبیاری کا کام طلبہ کے ذریعہ کرایا جاسکتا ہے۔صفائی کی مہم اپنی خدمت آپ کے عنوان کے تحت یا صفائی نصف ایمان کا عنوان دے کر مہم چلائی جاسکتی ہے۔اس سے طلبہ کے

اندر آلودگی سے حفاظت کا احساس ابھرے گا اور صفائی ستھرائی سے صحت وتندرستی کی اہمیت کا بھی علم ہوگا۔

۸۔کوئز مقابلے

سیرت کوئز، ڈکشنری سے الفاظ نکالنے، اسپیلنگ اور عبارت خوانی کے مقابلے کرائے جاسکتے ہیں۔اس سے طلبہ میں مسابقتی ذہن بنتا ہے۔ایک دوسرے سے علمی میدان میں آگے بڑھنے اور سبقت کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔

۹۔طلبہ کی لائبریری

دینی ،معلوماتی، تاریخی اور سیرت وسوانح اور کہانیوں پر مشتمل بچوں کی لائبریری ہو،جس کے ذمہ دار بھی طلبہ ہوں۔اس سے جہاں بچوں کے اندر مطالعے کا ذوق پروان چڑھے گا، وہیں انتظامی صلاحیت پیدا ہوگی۔وقت پر کتاب نکالنے اور جمع کرنے سے وقت کی پابندی اور ایفائے عہد کا جذبہ بھی پروان چڑھے گا۔

ہم نصابی سرگرمیوں کے فائدے

ہم نصابی اور غیر تدریسی سرگرمیوں کے بے شمار فائدے ہیں۔ان میں سے کچھ کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے:

ا۔خوابیدہ صلاحیتوں کی آبیاری

اللہ نے انسان کو مختلف النوع صلاحیتوں سے آراستہ کیا ہے۔یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ ان صلاحیتوں کو پہچانے اور بروئے کار لائے۔ نصابی کتابوں میں طالب علم دوسروں کی فراہم کردہ معلومات حاصل کرتا ہے۔اسے خود سے تجربہ،مشاہدہ اور غور وفکر کے ذریعہ نئی معلومات دریافت کرنی چاہیے۔ ہم نصابی سرگرمیوں کے ذریعہ طلبہ کو تجربے اور مشاہدے کے لیے ایک وسیع میدان ہاتھ آتا ہے، جہاں وہ اپنے ذوق تجسس وتحقیق کے ذریعہ اپنی خوابیدہ صلاحیتوں کو پروان چڑھا سکتا ہے۔

۲۔ مافی الضمیر کے اظہار کی صلاحیت

ہر انسان بہت کچھ سوچتا ہے، مگر دل کی بات زبان کے ذریعہ مدلل اور مربوط طور پر پیش کرنے کی ہمت ہر شخص کے اندر نہیں ہوتی ہے۔ کسی مجمع کو خطاب کرنا ہو تو یہ کام اور دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اس ہنر اور فن کی تربیت ہو تو انسان اپنی بات اچھے اسلوب میں اور بہتر طریقہ سے پیش کر کے اپنی بات منوا سکتا ہے۔ اس کی کوشش اگر مدرسے میں کی جائے تو طلبہ کے اندر یہ صلاحیت نکھر سکتی ہے۔ اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی بلا کسی خوف وتردد کے کسی بھی مجلس میں وہ پیش کر سکتے ہیں۔

۳۔ تحریر و مضمون نویسی

مافی الضمیر کے اظہار کا دوسرا ذریعہ تحریر ہے۔ لکھنے کی تربیت عمر کے ابتدائی زمانے سے ہونی چاہیے۔ اس صلاحیت کے لیے مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ طلبہ سے مدارس میں قلمی رسالے اور میگزین تیار کرائے جائیں۔ ان کی اصلاح اور حوصلہ افزائی زمانہ طالب علمی میں کی جائے تو ان کے اندر تحریر کی اچھی صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کے لیے تحریر کے مقابلے، اچھے مضامین کو رسائل وجرائد میں طبع کرا دیا جائے تو اس سے ہمت افزائی ہوگی۔ پھر مستقبل میں اچھے مصنف اور قلم کار بن سکتے ہیں۔

۴۔ قائدانہ صلاحیت

معاملہ فہمی، فیصلہ کی قوت، انتظامی امور اور قیادت کی صلاحیتیں بھی اللہ نے انسان کے اندر رکھی ہیں۔ بعض میں یہ صلاحیتیں ابھری ہوئی ہوتی ہیں اور بعض افراد میں کچھ کم زور ہوتی ہیں۔ ان کے استعمال سے اس میں اضافہ ہوتا ہے اور پروان چڑھتی ہیں اور استعمال نہ کرنے سے زنگ آلود ہو جاتی ہیں۔ اس لیے طلبہ کے اندر ان خفتہ صلاحیتوں کو ٹٹولنے اور انہیں نشو ونما دینے کی کوشش ہونی چاہیے۔ کسی بھی اجتماعیت کے لیے قائد کی اہمیت مسلم ہے۔ وہ انجن کا کام کرتا ہے۔ بہت سے افراد ہوں اور کوئی قائد نہ ہو تو ابتری کا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ قائد کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر معاملہ فہمی، اصابت رائے اور قوت فیصلہ کی صلاحیت ہو۔ مختلف ذہن وفکر کے افراد کو ایک ساتھ لے کر چلنے کی صلاحیت ہو۔ اس کی مشق زمانۂ طالب علمی سے ہو تو یہ خفتہ صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور عملی کام ومشق سے اس میں جلا پیدا ہوتا ہے۔

۵۔احساس ذمہ داری کا شعور

کتنے لوگ ہیں جو اچھی صلاحیت اور بہترین شخصیت کے مالک ہوتے ہیں، لیکن اپنے لاابالی پن اور غیر ذمہ دارانہ روش کی وجہ سے ان کی ذات پر لوگوں کو بھروسا اور اعتماد نہیں ہوتا۔اس وجہ سے سماج اور معاشرے میں وہ اپنا اعتماد اور وقار بحال نہیں کر پاتے ہیں۔زمانۂ طالب علمی سے احساس ذمہ داری کا شعور پختہ کر دیا جائے تو اس طرح کی صورت حال پیدا نہیں ہوگی۔طلبہ کی انجمن کے ذریعہ ذمہ داریاں دے کر ان کے اندر یہ شعور ابھارا جا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سے فائدے ہم نصابی سرگرمیوں کے ذریعے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔مثلاً طلبہ کے اندر اوقات کی پابندی کا احساس، تنظیمی صلاحیت کی نشو ونما اور ایک دوسرے کو معاف کر دینے، اختلافات کو رفع کرنے اور باہم مل جل کر رہنے اور انسانوں کی خدمت کا جذبہ بھی پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دینی مدارس میں ہم نصابی سرگرمیوں کو بھرپور جگہ دینی چاہیے۔اس کے لیے فنڈ بھی مختص کرنا چاہیے۔اساتذہ میں سے کسی کو ان کی سرگرمیوں کی نگرانی کا ذمہ دار بنانا چاہیے۔جس طرح سالانہ تعلیمی کیلنڈر بنتا ہے اسی طرح ہم نصابی سرگرمیوں کا بھی کیلنڈر بننا چاہیے، تاکہ طلبہ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جا سکے۔

جدید نظام تعلیم میں اساسی علم کی شمولیت ناگزیر

(جامعۃ الحکمہ ایم پی کا خوشگوار تعلیمی تجربہ)

محمد محفوظ خان فلاحی

الحمد للہ مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر تعلیم کا اور سیکھنے سکھانے کا جو تجربہ کیا گیا تھا، وہ آج برگ وبار لاتو ہوا ایک درخت نظر آرہا ہے۔ اس وقت جامعۃ الحکمہ اپنا منفرد پلان رکھتے ہوئے بیک وقت تین جگہوں پر تین الگ الگ ناموں سے اپنا وجود رکھے ہوئے ہے۔ تینوں جگہ ایک ہی نصاب ونظام اور انتظام ہے۔ جہانگیر آباد میں ایم پی بورڈ سے الحاق شدہ الحکمہ پبلک اسکول ہے۔ ۸ کلاس تک۔ کانچ والی مسجد میں ۸ کلاس اسٹینڈرڈ تک مدرسۃ الحکمہ ہے اور اس جگہ جہاں آپ بیٹھے ہیں، ایل جی ایس اسکول ہے جو ۱۲ کلاس تک ایم پی بورڈ سے ملحق ہے۔ شروع میں سادہ تعلیم وتربیت کا ابتدائی نظام تھا جو تدریج اور ارتقائی نہج کے ساتھ دھیرے دھیرے آگے بڑھتا رہا۔ بعد کے مراحل میں اللہ کی مدد سے جلدی توسیع ہوگئی۔ آج ہمارے اس تعلیمی نظام سے مستفید ہونے والے طلبہ کی تعداد ۷۰۰ ہے۔ اساتذہ اور معلمات ۵۰ سے متجاوز ہیں۔ ایک بیچ ۱۲ پاک کر چکا ہے۔ اس سال دوسرا بیچ ۱۲ کلاس کا ہے جو ان شاء اللہ فارغ ہوگا۔

اس ادارہ کے قیام کی ابتدا سے یہ بات سامنے تھی کہ یہ ادارہ ملت کی ایک امانت ہے، بساط بھر جتنا ہم سے ہو سکے کرلیں۔ اس کے بعد تعلیم سے وابستہ ایسے افراد جو علم دین میں رسوخ رکھتے ہوں یا عصری علوم میں مہارت ان کو اس ادارہ سے جوڑا جائے اور اصول وضابطے بنا کر ایک شورائی نظام تشکیل دیا جائے۔ الحمد للہ یہ مراحل بھی مکمل ہوگئے۔ اب اس ادارہ کا ایک دستور تشکیل دیا جا چکا ہے۔ ۱۲ ممبران پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ تشکیل پا گئی ہے جس میں تقریباً آدھے علمائے دین وشریعت ہیں اور آدھے

عصری علوم کے ماہرین ہیں اور ان میں سے بیشتر تدریس وتعلیم سے وابستہ اصحاب ہی ہیں۔ اگلے مراحل تشکیل نصاب وغیرہ کے ہیں۔ پچھلے سال کے پلان میں یہ بات آئی تھی کہ ہر سال دو ٹیچرس ٹریننگ پروگرام ہوں گے۔ اس سال بھی یہ روایت جاری ہو رہی ہے اور آج دو روزہ ٹریننگ پروگرام کا آغاز ہو رہا ہے۔ بڑی مسرت کی بات ہے کہ آج کی اس محفل میں ہمارے حبیب ومکرم جناب ڈاکٹر محمد رفعت صاحب موجود ہیں۔ میں نے اپنی طالب علمانہ اور تحریکی سرگرمی کے زمانے میں بار بار آپ سے فائدہ اٹھایا ہے اور رہنمائی حاصل کی ہے۔ آج پھر اللہ نے یہ موقع دیا ہے کہ ہم سب اصحاب آپ سے مستفید ہوں۔ آپ تحریک اسلامی ہند کے صف اول کے اصحاب میں شمار ہوتے ہیں۔ طویل عرصہ سے جماعت اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں، معروف تحریکی میگزین زندگی نو کے اعزازی مدیر ہیں۔ اپنی راسخ اسلامی وتحریکی فکر کی وجہ سے بھی تحریکی حلقہ میں کافی مقبول ہیں۔ آپ جماعت اسلامی کی تصنیفی اکیڈمی کے چیئرمین بھی ہیں۔ ملک کی معروف یونیورسٹی جامعہ ملیہ اسلامیہ میں پروفیسر ہیں۔
ہم یہ چاہتے ہیں اور برملا اس مجلس میں اس کا اظہار کرتے ہیں کہ جس طرح آج آپ نے جامعۃ الحکمہ کی اس محفل میں تشریف لا کر رہنمائی فرمائی، آئندہ بھی تشکیل نصاب وغیرہ کی اہم ضرورتوں کے موقع پر مشورہ اور رہنمائی فرمائیں گے۔ آپ کے بہترین تعلیمی کیریر کی بات تو بہت پرانی ہوگئی، زندگی نو کی ادارت سنبھالنے کے بعد آپ نے مسلسل اس پر اظہار خیال کیا ہے کہ ملکی اور عالمی حالات کے پس منظر میں امت کی کیا ترجیحات ہوں۔ امت کے تعلیمی نظام میں جو خامیاں ہیں، آپ اس کی نشان بھی فرماتے رہے ہیں خصوصاً سائنس اور ٹکنالوجی کو ہمارے نظام تعلیم میں کس طرح ضم کیا جائے، حالانکہ ہمارے علمی حلقوں میں اس پر عموماً بحث ومباحثہ ناپید ہے اور ملی ادارے بھی نہ اس بحث میں شامل ہیں اور نہ اس سلسلہ میں ان کے یہاں کوئی سنجیدہ پیش رفت ہے۔

ہم نے ابتدا میں مدرسہ کے ایک محدود دائرہ کو عمل کا میدان یا ایک تعلیمی تجربہ گاہ بنایا۔ مدرسہ کے قابل قدر تعلیمی وثقافتی ورثہ کو باقی رکھنے کا عزم کیا۔ عملی تدبیر یہ کہ کہ اس کے لازمی اور قابل قدر حصہ کو وقت کے ایک محدود دائرے میں محصور کر دیا جائے۔ یہ طے کیا گیا کہ اس نئے تجربہ میں کچھ باتیں متعین کر لی جائیں۔ اولاً مدرسی تعلیم کے حصے کے اوقات کی تحدید ہو، درجہ وائز نصاب معین ہو۔ تعلیم وثقافت کے اس حصہ کا ذریعہ تعلیم اردو اور عربی ہو۔ سنجیدگی کے ساتھ راسخ علماء کی نگرانی میں اس کے نصاب کی

تکمیل کرائی جائے۔اس دائرہ بندی کے ساتھ اب یہ با قاعدہ انگلش میڈیم اسکول کے روپ میں وجود پزیر ہوگیا۔اس شکل میں گویا ہم نے دوہری ذمہ داری لی ہے۔ایک تو یہ ادارہ، مدرسہ کے علم وثقافت کا امین ہے۔دوسرے اسکول میں رائج علوم وفنون کا حامل ہے۔یہ ایک چیلنج ہے جس کو اللہ کی توفیق سے ہم نے قبول کیا ہے۔اس ادارہ کی اس شکل کو سامنے رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ نہ یہ روایتی مدرسہ ہے اور نہ زمانی نوعیت کا عام اسکول۔

جس طرح عصری تعلیم کی بنیادی روح فنی وتکنیکی ہے اس طرح دینی تعلیم کی بنیادی روح تزکیہ وتربیت ہے۔انسان کے احسن تقویم اور اشرف تخلیق پر ہونے کا تمغہ بالفعل اس کے نفس کے تزکیہ سے متعلق ہے۔انسان کے نظری علم اور اور اختیاری عمل کا منبع جذبات وافکار ہیں۔یہیں سے ارادے، عزائم اور اعمال جنم لیتے ہیں۔جذبات وافکار کی درستی ہی سارے تصورات واعمال کی درستی ہے۔ان کا درست ہونا اس شکل میں ہوگا کہ وہ اپنی توجہ کو اس ولی وکارساز کی طرف کردے اور اس کی رضا والے اور پسندیدہ کاموں کو انجام دینے میں لگا رہے۔انسان کے نفس میں بالقوہ اچھے یا برے کی طرف مائل ہونے کا رجحان موجود ہے۔تربیت اور خارجی حالات وماحول اس کو ایک طرف ڈھکیل دیتے ہیں۔نفس کو اللہ نے جس طرح بنایا اور سنوارا ہے وہ اس کی شان ہے۔اختیار وآزادی کا جوہر عطا کرکے فجور وتقویٰ دونوں کے امکانات کو اس سے وابستہ کردیا۔اس نے عقل وفہم کی ذہنی صلاحیت اور کدوکاوش کی جسمانی صلاحیت دے کر جانچا ہے کہ تمہارا انتخاب کیا ہوتا ہے اور کس راہ پر چل پڑتے ہو۔اب کامیابی وناکامی کا دارومدار اس پر ہے کہ جسم وجان کی فطری ضرورت پوری کرنے کے لیے شہوات نفس سے محدود طور پر فائدہ اٹھانا ہے۔حد سے بڑھی خواہشات کو کاٹ چھانٹ کر آراستہ اور فٹ کرنا ہے، تاکہ صحیح نشونما پا کر وہ پھل حاصل ہو جو اس کا مقصد ہے۔جس نے یہ عمل انجام نہیں دیا، اس نے اپنے وجود کو ہر طرح کی منہ زور خواہشات میں دبا رہنے دیا، اس پر تیشہ نہیں چلایا، کانٹ چھانٹ کر اس کو فٹ کرنے اور موافق بنانے کی کوشش نہیں کی تو وہ ناکام رہا۔اس سے معلوم ہوا کہ نفس انسانی کے تسویہ اور فجور وتقوی کے الہام کا عمل تو باری تعالیٰ نے اپنی حکمت وشان کے ساتھ انجام دے دیا ہے۔اب تزکیہ اور تدسیہ کا مذکورہ عمل ہماری کاوش اور منصوبہ بندی کے دائرہ میں آتا ہے۔کیا براہ راست ہمارے تعلیمی منصوبوں سے اس کا تعلق نہیں ہے؟ ہونا تو یہ چاہیے کہ یہ ہماری تعلیم وتربیت کا مرکزی نکتہ ہو۔توحید

ومعرفت رب کو خدا کے سامنے جواب دہی کے تصور کو اور خاتم النبیین کے ذریعہ لائے پیغام ربانی کو متعارف کیے بغیر یہ مہتم بالشان ذمہ داری ادا نہیں ہوسکتی۔ روح اور نفس کا وساوس شیطانی اور ماحول کے دباؤ میں آنے اور بڑھی ہوئی خواہش نفس کا آلائش وآلودگی کا شکار ہونے کا امکان ہمہ وقت ہے اسی کو قرآن نے تدسیہ کہا ہے تاکہ تجلیہ یعنی اجلا اور شفاف کرنے اور تزکیہ یعنی کانٹ چھانٹ کرنے اور نشونما دینے کا عمل بھی ہمہ آن ہوتا رہے۔ یہ انتہائی مشکل کام ہے اس کو ہمہ وقتی تعلیم کے عمل میں شامل کیے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔ اہل ایمان کے لیے فنی وتکنیکی مہارت سے کم ضروری یہ عمل نہیں ہے۔ اسکولی دنیا میں ضروری اور غیر ضروری چیزوں کا اتنا دباؤ ہے کہ ان کے خیال میں بہت جزوی نوعیت کا کچھ اوپری سا کام اس کے ساتھ ہوسکتا ہے، وہ بھی صرف ابتدائی درجات میں۔ بات یہاں آ کر ٹھہرتی ہے کہ قرآن کو ناظرہ پڑھا دیا جائے یا زیادہ سے زیادہ تجوید سے۔ دعائیں اور نماز یاد کرادی جائیں اور نماز کا صحیح طریقہ سکھا دیا جائے۔ تھوڑے سے لوگ جو اس سلسلے میں کچھ کرنے کے قائل ہیں ان کے بارے میں یہ بات کہی جارہی ہے۔ کچھ اسکولوں نے قرآن حفظ کرانے کو اسلامی تعلیم کا بدل مانا ہے حالانکہ یہ اس کا بدل نہیں ہے۔ کچھ اسکولوں نے اسلامی تعلیم کو انگریزی زبان میں سکھانے کا پلان پیش کیا ہے، وہ بھی جزوی نوعیت کا ہے۔ ان سارے طریقوں میں تدریج، ترتیب، تسلسل اور درجہ وائز متوازن نصاب اور مادری زبان کی سہولت سے فائدہ اٹھانے کا ربط چھوٹا ہوا ہے۔ یہ تو وہ اقل قلیل ادارے ہیں جو اس کو لازمی ضرورت ماننے میں سنجیدہ ہیں۔ باقی کا تو حال یہ ہے کہ انگریزی اور عصری علوم ہی ان کی ابتدا اور وہی ان کی انتہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دینی واسلامی تعلیم کی جو اہمیت ہے وہ بیشتر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے اور رکاوٹوں کو انگیز کرتے ہوئے جس استقلال اور سنجیدگی کی ضرورت ہے وہ بھی عموماً کم پائی جاتی ہے۔

اس عمل کے مشکل اور ضروری ہونے کو امام ابن قیمؒ کی دی ہوئی ایک تمثیل سے سمجھا جاسکتا ہے۔ انھوں نے نفس کی درستی اور نادرستی کو ایک تمثیل کے پیرایہ میں اس طرح سمجھایا ہے: ”نفس کی مثال ایک چکی کے مانند ہے۔ اس میں اناج ڈال دیں تو وہ چکی گھومتے ہوئے اسے پیس دے گی اور اگر اس میں شیشہ، کنکر و پتھر اور مینگنیاں ڈال دیں تو انہیں بھی پیس دے گی۔ چکی لگانے والا اور اس کو ایک جگہ فٹ کرنے والا اللہ ہے۔ پھر اس نے اس پر ایک فرشتہ مقرر کردیا جو اس میں نفع بخش چیزیں ڈال کر

گھمار ہا ہے اور اسی طرح شیطان کو بھی لگا دیا ہے جو اس میں مضرت والی چیزیں ڈال کر گھمانا چاہتا ہے۔ شیطان کو اپنی مضرت رسان چیزیں ڈالنے کا موقع اس وقت ملتا ہے جب وہ چکی کو خالی گھومتے ہوئے دیکھ رہا ہو اور یہ بھی کہ جسے مقرر کیا تھا وہ لاپرواہ یا غافل ہو گیا ہے اور اب موقع ہے لپک کر جو کچھ اس کے پاس ہے اسے ڈال دینے کا۔'' یعنی اگر ہوش مندی کے ساتھ اپنے حصہ کے عمل کو انجام نہیں دیا جائے گا تو شیطان کو اپنا کام انجام دینے کا بآسانی موقع مل جائے گا۔ اس تعبیر کے پردہ میں جو بات سمجھائی جارہی ہے وہ کافی اہم ہے۔ آخر میں ابن قیمؒ اپنی اس بات کا خلاصہ یہ پیش کرتے ہیں کہ ''چکی چلانے والا جب اسے خالی گھومنے دیتا ہے اور اس کو درست استعمال کرنے سے اور نفع بخش اناج ڈالنے سے لاپرواہی برتتا ہے تو دشمن اس کو غلط طریقہ سے استعمال کرنے کا موقع پالیتا ہے اور اس میں وہ کچھ ڈال دیتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے۔ تو اس چکی کو درست طور پر استعمال کرنا یہی ہے کہ اس کو کام میں اور مفید چیزوں کے پیسنے میں لگائے رکھا جائے اور اس کا بگاڑ اور نادرستی یہ ہے کہ اسے لایعنی اور بے کار کی چیزوں میں مشغول کر دیا جائے۔'' موقع ہوتے ہوئے آج ہم اپنے منصوبوں کو عمل میں لاتے ہچکچا رہے ہیں، جب کہ دوسرے لوگ ہماری طلبہ پر لوڈ ڈال کر انہیں بالکل بوجھل بنائے دے رہے ہیں۔ حالاں کہ تنظیم اوقات اور تعیین نصاب سے کسی حد تک اس مسئلہ کو جزوی طور پر حل کیا جا سکتا ہے۔

درمیان میں ایک بات کہہ دینا بہت اہم ہے کہ عموماً لوگوں کا اس راہ پر چلنا دشوار کیوں ہوتا ہے؟ انسانی نفسیات کو سمجھنے کے لیے یہ حقیقت سامنے رکھنا بہت ضروری ہے کہ ہر طرح کے افکار وخیالات کا قلب واذہان پر زور دار حملہ ہوتا رہتا ہے۔ صرف طاقت ور ایمان اور درست عقل ہی اس میں سے اچھے اور خدا کی نظر میں پسندیدہ تصورات کو قبول کرنے میں اور اس کے برے اور ناپسندیدہ تصورات کو ہٹانے میں معاون ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایک تاثر احادیث میں منقول ہے جس میں اس پہلو کا ذکر کیا گیا ہے۔ صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور مسند احمد میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ صحابہ نے اس سلسلے میں اللہ کے رسول سے یہ بات فرمائی: ''اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی شخص کے جی میں کچھ ایسا خیال گزرنے لگتا ہے کہ جس کی وجہ سے ہمیں اپنا جل کر راکھ بن جانا اس سے زیادہ پسندیدہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات زبان پر لائی جائے، تو آپ نے فرمایا: کیا تم اپنے جی میں ایسا محسوس کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا: جی! ہمیں ایسا ہی محسوس ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا: یہ صریح ایمان ہے۔

ہمارا موجودہ نظام تعلیم غلط افکار وتصورات کو جمانے اور راسخ کرنے کی ایک چکی ہے۔ صرف جدید تعلیم اوراور عصری علوم میں مہارت اورفن کاری پیدا کرنا ہمارا نشانہ نہیں ہے۔ اگر یہ خیال ایک کسک بن کر ہمارے دلوں میں پیدا ہو جائے تو یہ شرارۂ ایمان ہے۔ ہمارے اپنے نشانوں اور خدا کی طرف سے امت کو دیے منصوبہ وپلان کو نظر انداز کر کے صرف اتنے کے لیے کوشاں ہونے کو جواز اور عدم جواز سے صرف نظر بھی کرلیں تو کم سے کم ہماری صلاحیتوں کا کوئی بہتر اور نصب العین سے میچ کرنے والا استعمال تو نہیں ہے۔ جب کہ ہمارا نشانہ موجودہ سیاسی ومعاشی نظام کو سہارا دینا یا موجودہ سماجی اور تہذیبی قدروں کو فروغ دینا نہیں ہے۔

آج ناخواندگی اور جہالت دور کرنے کا نشانہ لوگوں کے سامنے ہے اس کے بالمقابل خواندہ اور لکھا پڑھا ہونا اور اس کی بنیاد پر کائنات کو مسخر کرنا بس انتہائے کمال ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کے لیے یہ نشان امتیاز اور طاقت ہے لیکن یہ منتہائے کمال نہیں۔ اصل میں تو نشانہ ہے جاہلیت کا خاتمہ اور قلب ونظر کی ماہیت کا اس طرح تبدیل ہونا کہ وہ حقیقت کو اپنی اصل شکل میں دیکھ سکے اور قلب ونظر میں تبدیلی کے ساتھ اس کی پوری شخصیت میں تبدیلی آجائے اور وہ اپنے خالق ورب کو پہچان لے اور صرف اسی الٰہ ومعبود کے سامنے سر تسلیم خم کردے۔ اب جو کارزار حیات میں اور آگے بڑھنا چاہتا ہے وہ دیگر اشیاء کی حقیقت کو بھی جانے اور کائنات کی تکوینی قوانین کو جان کر وسائل حیات وکائنات کو قابو میں لے کر خدا کے بتائے تشریعی قوانین کی روشنی میں انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے استعمال کرے۔ یہ ہے ہمارے نظام تعلیم کا نشانہ۔ ہم نے اپنی قائم شدہ صحت مندانہ روایات کی تقلید سے اتنا تو کرہی لیا کہ جزوی تبدیلی کے ساتھ بذریعہ اردو وعربی قرآن وسنت اور فقہ کی تعلیم کو نصابی شکل میں جاری کردیا۔ البتہ عصری تعلیم کو بزبان انگریزی جاری کر تو دیا لیکن سائنس کی نظری تعلیم جن کتابوں سے دی جارہی ہے وہ رب کی معرفت سے اور کائناتی افعال کی ربانی نسبت سے ابھی خالی ہیں اور اساتذہ کی ایسی کھیپ وجود میں نہیں آئی جو خود سے اس کمی کو پورا کرسکیں۔ انسانی عقل یہاں تک پہنچ بھی جائے تو حاملین وحی (علماء اور دعاۃ) کا یہ افضل عمل باقی رہتا ہے کہ وہ انہیں سیر گاہ افلاک سے گزار کر ملکوتی اور لاہوتی حدوں کا نظارہ کرائیں کہ ان اجسام واجرام کی دنیا سے ماوراء ایک غیبی دنیا بھی ہے جہاں ان کا اصل مستقر ہے۔ وہاں کی اصل کامیابی ایسے رب اور خالق کو الٰہ اور معبود برحق مان کر

ہے۔ یہی اصل توحید ہے۔ رہا مسئلہ ٹکنالوجی، مشینوں اور آلات کے استعمال کا تو یہ اختراعات وایجادات تو مرافق حیات ہیں ان میں صرف اتنی تحدید کی ضرورت ہے کہ بنائی حرمتوں کو پامال نہ کیا جائے اور خدا کے تخلیقی حصہ کو بگاڑ اور فساد سے دوچار نہ ہونے دیا جائے۔ نسل نو کے لیے اسکولی تعلیم میں انگریزی نصاب کی سماجیاتی علوم پر مشتمل کتابوں میں کافی خرابی ہے۔ ان کتابوں میں مغربی ملحدانہ نظریات اور یونانی و ہندوستانی توہمات وشرکیات کی تائید اور عریاں مغربی و ہندوانہ تہذیب وتمدن کی تزئین کو بہت ابھار کر پیش کیا گیا ہے۔ امت کے جن افراد اور جس گروہ کو توفیق ہو وہ تکلیف مالا یطاق کی حد میں ان عملی اور نصابی الجھنوں کو رفع کرنے کی ذمہ دار ہے۔ ورنہ تو اصلاً امت کے ان سارے مسائل کا حل اسی صورت میں ہوگا کہ وہ اپنی اجتماعی قوتوں کو منصوبہ بند انداز سے استعمال کر کے ایک عالمی نظام خلافت قائم کرے۔

اسلام کی رہ نمائی میں بنے تعلیم وتربیت کے نظام کی بنیاد واساس اس جدید نظام تعلیم سے بالکل جداگانہ ہوگی جو صرف مادی دائرے کی اشیاء اور اجسام کے فہم ومطالعہ پر مرکوز ہے۔ خدا پرستانہ اساس پر مبنی اسلامی نظام تعلیم اور خدا اور نفس وروح سے خالی مغربی نظام تعلیم سے جو افراد وجود میں آئیں گے وہ ایک دوسرے کی بالکل ضد ہوں گے۔ یہاں پھر میں ابن قیم کا تمثیلی پیرایۂ بیان مستعار لیتا ہوں کیوں کہ معلوم اور ثابت شدہ بات کو مزید سمجھانے کے لیے یہ پیرایہ بیان مقبول اور مؤثر ہوتا ہے۔ ابن قیمؒ نے اپنی معروف کتاب الفوائد میں ایک عنوان باندھا ہے: **من لایعرف نفسه کیف یعرف خالقه** ؟ جو اپنے آپ کو نہ پہچانے وہ خالق کو کیسے پہچانے گا؟ وہ یوں گویا ہوتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے انسان کے سینے میں ایک گھر بنا دیا ہے اور وہ 'قلب' ہے، یعنی اپنی معرفت کا عرش انسان کے سینے میں رکھ دیا۔ اس پر اس کی معرفت، محبت اور توحید جیسی اعلیٰ صفات کا پرتو ہے، اس تخت پر اس کی رضا جوئی کی چادر بچھی ہے۔ اس نے اس کے دائیں اور بائیں اپنے احکام وقوانین کے سہولت بخش جھونکے چلا دیے ہیں۔ اس کی مہربانیوں کی شاداب جنت کا دروازہ کھل گیا ہے کہ اس سے انسیت اور اس سے ملاقات کا شوق ابل پڑے۔ ربانی کلام کی ایسی جھڑی لگ گئی ہے جس نے اس میں طرح طرح کے پھولوں اور پھلوں کے درخت اگا دیے ہیں۔ اس سے جو پھل اور پھول اگ رہے ہیں، وہ طاعت وبندگی کی مختلف شکلیں لیے ہوئے ہیں اور اس کے منہ سے تہلیل، تسبیح، تحمید وتقدیس کے پھول جھڑ رہے

ہیں۔اس شاداب باغ کے عین وسط میں اس نے ایک معرفت کا درخت اگا دیا ہے جو اسے ہمہ آن اپنے رب کے حکم سے محبت، انابت اور خشیت کے پھل سے نواز رہا ہے۔اس سے اسے خوشی محسوس ہورہی ہے اور احساس قرب سے وہ مگن ہوا جا رہا ہے۔اللہ نے اس شجر معرفت کو سینچنے کا انتظام اس طرح کر دیا ہے کہ وہ کلام ربانی پر غور وفکر کر رہا ہے، اس کو سمجھ رہا ہے اور اس کی تعلیمات پر عمل کر رہا ہے۔اس نے اس گھر میں ایک ایسی فانوس لٹکا دی جس کو اس نے اپنی معرفت، محبت اور توحید کی روشنی سے منور کر دیا ہے۔اب اس باغ کو سہارا مل رہا ہے اس درخت سے، زیتون کے درخت سے جو فیض و برکت سے مالا مال ہے، باغ کے عین بیچ میں ہے، نہ مشرقی کنارے پر ہے اور نہ مغربی کنارے پر۔اس کے خالص تیل کا یہ حال ہے کہ ابھی آگ نے چھوا بھی نہیں کہ وہ جل اٹھنے کو تیار۔ پھر اس نے اس گھر کو ایک ایسی دیوار سے گھیر دیا ہے کہ اب نہ اس میں آ گیں داخل ہوسکتی ہیں اور نہ مفسدین۔اس نے اس کے اردگرد محافظ فرشتے مقرر کر دیے ہیں جو اس کی سوتے جاگتے حفاظت کرتے ہیں۔ پھر اس گھر اور باغ کے مالک کو بتا دیا ہے کہ اس گھر میں کون رہ رہا ہے۔اب وہ برابر کوشاں ہے کہ اس کی یہ رہائش درست رہے، اس میں ذرا خرابی نہ آئے۔کتنا خوب ہے رہنے والا اور کیا ہی عجیب ہے یہ رہائش گاہ۔

اب ذرا دیکھیے ایک دوسرا گھر ہے جو اجڑا ہوا کھنڈر نما ہے۔ کیڑے مکوڑوں اور موذی جانوروں کا ٹھکانا بن گیا ہے۔ جہاں کوڑا کرکٹ پڑا ہے اور غلاظتوں کا ڈھیر ہے۔جس کو قضاء حاجت کی ضرورت ہے وہ تلاش کرتا ہے ایسی اجڑی ہوئی سنسان جگہ جہاں نہ کوئی رہتا ہو اور نہ وہاں کوئی محافظ ہو، جس کا ہر گوشہ تاریک ہو، جس کی فضاؤں میں بدبو بسی ہو۔کوڑا کرکٹ اور گندگی سے اٹی جگہ میں نہ کوئی جاتا آتا ہے نہ کوئی اس جگہ سے انسیت رکھتا ہے۔صرف کیڑے مکوڑے اور غلیظ جانور اس جگہ سے مناسبت رکھتے ہیں۔شیطان اس گھر میں بچھے تخت پر بیٹھا ہے اور اس پر جہالت کی دری بچھی ہے، جس پر مچلتی خواہشات نظر آرہی ہیں۔اس کے دائیں اور بائیں شہوات و خواہشات کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ بے فیض، لاچاری اور تنہائی کے شکار اس اجڑے کھیت کا دروازہ اس کے لیے کھل گیا ہے، جہاں دنیا کی طرف لپک ہے، اسی سے اطمینان پانا ہے اور آخرت سے بے رغبتی ہے۔اس پر جہالت، خواہشات اور شرک و بدعات کا دھارا کھل گیا ہے۔اس میں طرح طرح کے کانٹے اور کڑوے کسیلے پھل اگ آئے ہیں اور ایسے درخت جس میں معاصی اور مخالف حق باتیں لگی ہیں، مزید جو چیزیں موجود ہیں، مرثیہ خوانی

و ماتمی قصیدے ہیں، چٹکلے ہیں، لطیفے ہیں، ہجو گوئی والی نظمیں اور عشقیہ شاعری کی باڑھ اگ آئی ہے۔ محرمات پر ابھارنے والی شراب و کباب کی محفلوں اور اطاعت و بندگی سے بے بہرہ کرنے والی سرگرمیوں کا دور دورہ ہے۔ اس کھیت کے بیچ میں جہالت اور خدا سے بے نیازی کا ایک درخت ہے۔ اس سے ہمہ وقت فسق و فجور، معاصی، لہو ولعب اور فحاشی کے پھل اگ رہی ہیں۔ اور اسے کسی طرف سے بھی چلنے والا ہوا کا ہر جھونکا اپنی طرف لیے جا رہا ہے اور خواہش پرستی کی ہر شکل کی طرف وہ کھنچا چلا جا رہا ہے۔ اس کے حقیقی نتائج تو اب یہی ہیں کہ فکر و پریشانی اور غم و آلام کے سوا کچھ نہیں۔ نفس کے لہو ولعب اور خرمستی میں مشغول ہونے کی وجہ سے حقائق اوجھل ہوئے جا رہے ہیں۔ لیکن جیسے ہی اس کی یہ مدہوشی چھٹتی ہے اور وہ ذرا ہوش میں آتا ہے تو حزن و ملال، فکر و پریشانی اور تنگ زندگی اسے آ کر گھیر لیتی ہے۔ اس شجر جہالت کو سیراب کرنے والی چیزیں ہیں خواہش نفس کی پیروی، آرزوؤں اور امنگوں کا دراز ہونا اور دنیا کی رنگینیوں کا دھوکہ میں مبتلا کرنا۔ پاک ہے اللہ کی وہ ذات جس نے اس گھر اور اس گھر دونوں کو پیدا کیا ہے۔ جس نے اپنے گھر کو پہچان لیا اور اس کے اندر موجود خزانوں، ذخیروں اور آلات و وسائل کی قدر کی تو اس نے اپنی زندگی کو اور اپنے آپ کو ان سے فائدہ پہنچایا۔ جو اس سے ناواقف اور جاہل محض بنا رہا، اس نے اپنے آپ کو جہالت کے اندھیرے میں ڈال دیا اور سعادت و خوش بختی سے محرومی میں مبتلا کر دیا۔'' اس طویل اقتباس کو جوں کا توں پیش کر دینے کی غرض یہ کہ ایک نئے اسلوب میں ان باتوں کو پیش کر دیا جائے جو ہمارے مقاصد اور نہج تعلیم پر روشنی ڈالنے والی ہیں۔ شیطان کے منصوبہ اور پلان نے آج انسانیت کو کیسے جکڑ لیا ہے کہ اب ہم اپنے بیمار تقلیدی ذہن کی وجہ سے اسی تعلیمی نظام کو آئیڈیل سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ ہمیں تو صرف اس کے مفید حصہ کو لے کر اپنے منصوبہ اور پلان کے مطابق آگے بڑھنا ہے۔

AL-JAMIATUL ISLAMIAH TILKAHNA
Post Shivapati Nagar, Dist. Siddharth Nagar, U.P.
Pin - 272206, (INDIA), Cell: 09324240494
E-mail: aljameatulislamia@yahoo.in

الجامعۃ الإسلامیۃ تلکہنا
پوسٹ شیوپتی نگر، ضلع سدھارتھ نگر،
یوپی-۲۷۲۲۰۶، الھند

Ref. No.________________ Date:________________

الجامعۃ الاسلامیہ تلکہنا، شیوپتی نگر، سدھارتھ نگر، یوپی

ایک تعارف

''الجامعۃ الاسلامیہ'' تلکہنا، شمال مشرقی یوپی کا ایک معروف تحریکی، دینی اور اقامتی ادارہ ہے۔ جس کا قیام ۱۹۳۲ء میں عمل میں آیا۔ یہ ادارہ یوپی میں نیپال کی سرحد سے متصل ایک پرسکون مقام پر واقع ہے۔ اس علاقے کے باشندے تعلیمی ومعاشی اعتبار سے پسماندہ ہیں اور ان کے معاش کا دارومدار کھیتی باڑی اور محنت ومزدوری پر ہے۔

تعلیم وتربیت کے میدان میں طویل مدت سے اس ادارہ کی خدمات جاری ہیں، اس وقت اس کے چشمۂ صافی سے ایک ہزار سے زائد طلبہ وطالبات سیراب ہورہے ہیں، اور اس کے فارغین کی بڑی تعداد علم وعمل سے آراستہ ہوکر مختلف شعبہائے حیات خصوصاً دعوت وتبلیغ اور اقامتِ دین کے میدان میں سرگرم عمل ہے۔ نصاب تعلیم دینی وعصری علوم پر مشتمل ہے۔

عالمیت تک کی تعلیم کا نظم ہے، اس کی سند کو ملک کی مشہور ومعروف یونیورسٹیاں (بنارس ہندو یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد، جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ وغیرہ) تسلیم کرتی ہیں۔ بہترین تدریس، پرسکون ماحول اور روشن مستقبل اس ادارہ کا طرۂ امتیاز ہے۔

تعاون کی صورتیں

☆ایک غیر مستطیع طالب علم کا سالانہ وظیفہ	9000	☆ایک یتیم کا سالانہ وظیفہ	10000
☆ایک حافظ کا سالانہ وظیفہ	10000	☆ایک استاذ کا ماہانہ مشاہرہ	10000
☆ایک کمپیوٹر کی خریداری	20000	☆ایک ٹیکنیکل لیب کی تعمیر	200000
☆ایک فیملی کوارٹر کی تعمیر	300000	☆ایک جنریٹر کی فراہمی	300000
☆لائبریری کے لئے کتب کی فراہمی		☆اپنے حلقۂ اثر میں جامعہ کا تعارف	
☆کسی ایک منصوبے کی تکمیل		☆جامعہ کی تعمیر وترقی کے لئے دعائیں	

مراسلت کا پتہ:

AL-JAMIATUL ISLAMIA TILKAHNA ,SHIVPATI NAGAR
SIDDHARTH NAGAR U.P. PIN 272206(INDIA)
MOB:-09820538969,9670600784,9918536161,9919388788
A/C NO.60109803838 IFSC : MAHB0001405
Email-aljameatulislamia@yahoo.in

جامعۃ الفلاح کا نظامِ تربیت

(آپ بیتی)

عبیداللہ فہد فلاحی

طلبہ واساتذہ کے باہمی تعلقات

وہ ۱۹۷۱ء کی ایک شام تھی جب مولانا عبداللہ فلاحی کے ہم راہ اعظم گڈھ سے روانہ ہوکے ۵ بجے ہماری بس جامعۃ الفلاح بلریا گنج کے صدر دروازے کے سامنے سڑک پر کھڑی ہوئی۔ احاطہ نہ ہونے کے سبب بس میں بیٹھے ہوئے میں نے دیکھا کہ کھیل کے میدان میں ایک استاد طلبہ کے جھرمٹ میں کھڑے ہیں۔ بس کی رفتار دھیمی ہوئی۔ استاد نے دور سے اشارہ کیا اور طلبہ بھاگتے ہوئے بس کے قریب پہنچ گئے۔ ہاتھوں ہاتھ ہمارا سامان اتارا گیا۔ ہم نیچے اترے تو دیکھا کہ ٹین کا صندوق بس ہی میں رہ گیا تھا۔ شور مچایا اور دو طلبہ بھاگتے ہوئے دوبارہ بس میں گھس گئے اور صندوق اتارلیا۔ مصافحہ اور معانقہ ہوا۔ وہ استاد ٹہلتے ہوئے صدر دروازے پر آ گئے۔ میں نے انھیں پہچان لیا۔ وہ مولانا شہباز اصلاحی (۱۹۲۷-۲۰۰۲) تھے۔ بارہ دری لکھنؤ میں جماعت اسلامی کے اجتماع ۱۹۶۸ء میں شناسائی ہوچکی تھی۔ بھاری بدن، صوفیانہ لباس، بارعب آواز اور علم واخلاق کا ہالہ انہیں کیسے بھلا سکتا تھا۔ آج جامعۃ الفلاح میں داخلہ کا میرا پہلا دن تھا۔

طلبہ واساتذہ کے درمیان تعلقات میں یہ بانکپن، یہ بے تکلفی اور اپنائیت دل میں گھر کر کے رہ گئی۔ جامعۃ الفلاح کے ماحول سے رفتہ رفتہ آشنائی ہوئی اور میں وہاں کی تعلیم وتربیت میں گم ہو کے رہ گیا۔ سال بھر کی تدریس کے بعد عالمیت اول کا امتحان ہوا۔ نتیجہ آیا تو میری فرسٹ پوزیشن تھی۔ وہی

استاد مولانا شہباز اصلاحی ہوسٹل کے لان میں شہتوت کے سائے میں فروکش تھے۔ تقریباً دہاڑتے ہوئے بولے ہمارے ایک ممتاز ہم جماعت سے:

''طارق (رَوزَن)! تم لوگ شرم سے ڈوب مرو۔ ضلع گونڈہ کے گاؤں سے آنے والے طالب علم نے تم کو شکست دی ہے۔ تم نے پڑھنا لکھنا چھوڑ دیا ہے۔''

میرے بدوی وصحرائی مزاج کا انہوں نے مذاق نہیں اڑایا تھا۔ ہمت افزائی کا ان کا یہ مخصوص انداز تھا انوکھا اور رسیلا۔ ان کا یہ لب ولہجہ میرے تحت الشعور میں بیٹھ گیا۔ جامعۃ الفلاح میں عالمیت، فضیلت اور تخصص کے درجات کی تکمیل کی مگر اپنے صحرائی مزاج سے دست کش نہ ہوسکا۔ یہ بدویت مجھے ہمیشہ عزیز رہی۔ اساتذہ کے کمروں پہ حاضری اوران کی نجی مجلسوں سے فیض یابی سے مجھے وحشت رہی۔ تعلیم وتدریس اور دعوت وصحافت کی سرگرمیاں مجھے ہمیشہ مصروف رکھتیں۔ جن اساتذہ کی نظروں میں سعادت مندی سے مجھے کوئی علاقہ نہ تھا، جیسے مولانا عبدالحسیب اصلاحی، ماسٹر عبدالحکیم ایم اے بی ایڈ، ماسٹر اکرام الدین احمد ایم اے، انہوں نے بھی میرے ساتھ کوئی زیادتی کی نہ امتیاز۔ عدل وانصاف کا دامن انہوں نے ہمیشہ تھامے رکھا۔ ایسا کبھی مشاہدہ وتجربہ میں نہیں آیا کہ مقرّب کو انہوں نے ترجیح دی ہو، یا غیر مقرّب کے ساتھ ناروا سلوک کیا ہو۔

۱۹۷۷ء کے پارلیمانی انتخابات میں قصبہ بلریا گنج بھی قومی سطح کی سیاسی پارٹیوں کے قدآور رہ نماؤں کی ترک تازیوں کا محور بنا۔ آنجہانی اندرا گاندھی (۱۹۱۷-۱۹۸۴) چودھری چرن سنگھ (۱۹۰۲-۱۹۸۷) اور سوشلسٹ لیڈر راج نرائن (۱۹۱۷-۱۹۸۶ء) یکے بعد دیگرے آئے اور دل فریب وعدوں اور سنہری ترقیات کے خواب دکھا کے گئے۔ چودھری چرن سنگھ کی تقریر مسجد جامعہ کے شمال میں واقع طول طویل باغ میں بعد نماز ظہر ہوئی۔ مجھے سیاسی تقریریں سننے اور سیاست دانوں کو دیکھنے کا شدید اشتیاق تھا۔ مثالی بورڈنگ کے نگراں مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی نظم وضبط اور اصول وقواعد کی پابندی کے معاملے میں بڑے سخت واقع ہوئے تھے۔ نمازوں کی پابندی، درسی وغیر درسی مطالعہ کے اہتمام میں ان کی زیرنگرانی طلبہ معروف وممتاز تھے۔ سیاسی جلسوں میں شرکت کی اجازت دینے کا سوال ہی نہ تھا اور مجھے سیاسی احوال سے واقفیت کے اپنے مزاج کی تشنگی بھی دور کرنا تھی۔

میں نے نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد مسجد کے ایک کونے میں اپنا لوٹا چھپا دیا اور بڑی خاموشی و رازداری سے باؤنڈری پھلانگ کے جلسہ میں شرکت کی اور پھر عصر کی نماز باجماعت میں مسجد میں موجود تھا۔ عصر کی نماز کے بعد حسب دستور مثالی بورڈنگ کے طلبہ لائن حاضر ہوئے نگراں کی مختصر تذکیر سننے کے لیے۔ مگر آج تذکیر کی جگہ خوف و دہشت کا سماں تھا۔ نگراں سیاسی جلسے میں شرکت کرنے والے طلبہ کی سرزنش کے لیے تیار تھے۔ عالمیت کے ابتدائی درجات کے ایک نحیف و نزار طالب علم ظہیر غازی کی شامت پہلے آئی۔ مولانا رحمت اللہ اثری نے انہیں بانس کی چھڑی سے ضرب لگانا شروع کیا، ایک، دو، تین، چار۔ چند ہی ضربوں میں وہ بے ہوش ہو کے گر پڑے۔ استاد بدحواس ہو گئے اور سینیر وفادار طلبہ بھی۔ محمد اسماعیل فلاحی نے فوراً طالب علم کو گود میں اٹھایا اور استاد کے بستر پر لٹا دیا۔ ہاتھوں اور پیروں پہ مالش شروع ہو گئی۔ نگراں خود پشیمان تیمارداری میں مصروف ہو گئے۔ لمحوں میں ہوش آ گیا۔ طالب علم نے فوراً معافی مانگی۔ اب ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ بڑے زندہ دل اور سیمابی شخصیت کے مالک تھے۔

نگراں کے اوسان بحال ہوئے تو میری شامت آئی۔ شدید حرب و ضرب کے لیے میں ذہنی طور پر تیار تھا کہ ان گناہ گاروں میں میرا نام بھی شامل تھا۔ مولانا رحمت اللہ اثری ایک تو ظہیر غازی مرحوم کے انجام سے پریشان تھے، دوسرے مریض کے مزاج کے مطابق دوا تجویز کرنے کی یونانی حکمت سے بھی آشنا تھے۔ میری طرف قہر آلود نظروں سے دیکھا اور فرمایا:

> ’آپ تو نظم و ضبط کے پابند ہیں۔ مطالعہ کے عادی ہیں۔ غیر ضروری مشغولیات سے دور رہتے ہیں۔ محنتی، سعادت مند اور ممتاز طلبہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے یہ حرکت کیوں کی؟‘

نگراں کے تیر و نشتر جملے سینے میں ترازو ہو رہے تھے۔ میں اس لمحہ کو کوسنے لگا، جب سیاسی جلسہ میں شرکت کی آرزو مجھ پر غالب آئی اور میں احاطۂ مسجد کو پھلانگ کے چودھری چرن سنگھ کو دیکھنے اور سننے کے لیے بے قابو ہوا۔ ایک لمحہ سانس لینے کو نگراں رکے۔ پھر فرمایا ٹھہر ٹھہر کے جیسے عدالت میں بیٹھا ہوا جج مجرم کو پھانسی کی سزا سنا رہا ہو:

> ’آپ کی سزا یہ ہے کہ آپ کو کوئی سزا نہ دی جائے۔ جب تک آپ جامعہ کی چہار دیواری میں رہیں اسی پشیمانی میں زندگی گزاریں!‘

میں سکتے میں آ گیا۔ میرے ہوش وحواس جواب دے گئے۔ شرم سے نظریں زمین میں گڑ گئیں۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو گرنے لگے۔ میں دیر تک بے حس وحرکت دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا رہا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ میں یکّا وتنہا کھڑا ہوں۔ ہفتوں نگراں سے آنکھیں ملانے کی ہمت نہ ہو سکی۔ جامعہ کی طالب علمانہ زندگی میں مولانا رحمت اللہ اثری کو میں نے مثالی استاد اور مربی محسوس کیا۔ جامعۃ الفلاح کا یہ تعارف کہ وہ اعلیٰ دینی تعلیم کا مرکز ہونے کے ساتھ قابل اعتماد تربیت گاہ ہے، مجھے مولانا رحمت اللہ اثری کی شخصیت اور کردار میں نظر آیا۔

کچھ دنوں کے لئے مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی کی نگرانی میں دارالاقامہ میں سکونت کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ اس وقت مولانا عبدالحسیب اصلاحی صدر مدرس تھے۔ وہ ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۳ء تک صدارت کے منصب پر فائز تھے۔ شبلی کالج میں مشاعرہ کا بڑا شہرہ تھا۔ اردو ادب اور شاعری سے دل چسپی رکھنے والے طلبہ اس سنہری موقع کو کیسے گنوا سکتے تھے۔ جن لوگوں نے مشاعرہ میں شرکت کا خفیہ اہتمام اور منظّم منصوبہ بندی کی ان میں سدھارتھ نگر کے انیس الرحمٰن بھی تھے۔ ۱۹۷۲ء کے اس شبانہ مشاعرہ میں انہوں نے شرکت کی۔ عشاء کی نماز جامعہ کی مسجد میں ادا کی۔ اور رات بھر مشاعرہ سننے کے بعد نماز فجر با جماعت مسجد میں ادا کی۔ اس زمانہ میں رات میں ٹیکسی نہیں چلتی تھی نہ تانگہ کا انتظام تھا۔ غالبًا پندرہ سولہ میل کی مسافت پیدل ہی طے ہوئی تھی۔ پتہ نہیں صدر مدرس کی چھٹی حس بیدار تھی یا طلبہ کی شامتِ اعمال نے دعوت دی تھی۔ رات میں انہوں نے دارالاقامہ کا دورہ کیا۔ ایک کمرے میں داخل ہوئے تو آثار مشتبہ نظر آئے۔ لحاف الٹ کر دیکھا تو درمیان میں تکیہ رکھ کر پردہ پوشی کا کمال ذہانت سے اہتمام کیا گیا تھا۔ صبح کو نماز فجر کے بعد طلبہ لائن حاضر ہوئے۔ سبحانی بورڈنگ میں دہشت کا منظر تھا۔ مولانا عبدالحسیب اصلاحی نظم شکنی اور قواعد کی خلاف ورزی کو کسی صورت برداشت نہ کرتے تھے۔ اردو وعربی بول چال میں بھی اور تعلیم وتربیت کے مسلّمہ اصولوں کی پاس داری میں بھی۔ وہ عربی بھی اسی فصاحت سے بولتے تھے جیسے اردو۔ لباس پہ کبھی شکن نہ نظر آتی تھی۔ بیشتر شیروانی اور ٹوپی زیب تن کرتے اور زمین دارانہ وجاہت ونفاست کا نمونہ نظر آتے۔

مولانا اصلاحی نے ایک ایک طالب علم کے سراپا کا جائزہ لیا اور جناب انیس الرحمٰن کے پاس پہنچ کر رک گئے۔ انہوں نے درشتی سے سوال کیا، آپ رات میں کہاں تھے؟ انیس الرحمٰن صاحب نے

کتاب الحیل کا مطالعہ تدبر سے کیا تھا۔ بولے:’’میں عشاء کی نماز میں موجود تھا اور فجر کی نماز میں بھی۔ نگراں سے پوچھ لیجئے۔‘‘

صدر مدرس نے پھر سوال دہرایا۔ انیس صاحب کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ اب سوال براہ راست کیا گیا:

رات میں شبلی کالج کے مشاعرہ میں آپ نے شرکت کی؟

طالب علم کی زبان پر تالے لگ گئے۔ مولانا اصلاحی نے بید کی چھڑی منگائی۔ لگاتار ضربوں سے انیس الرحمٰن کی دونوں ہتھیلیاں سرخ ہوگئیں۔ آنکھوں سے وحشت جھانکنے لگی۔ سارے طلبہ سر جھکائے کھڑے تھے مودّب اور ہراساں۔ کسی میں اف کرنے کی ہمت تھی، نہ ان کی تربیت نے انہیں اس کی اجازت دی تھی۔ تھک کے صدر مدرس گرنے کو تھے کہ ایک طالب علم نے بڑھ کر کرسی پیش کردی۔ دیر تک وہ ہانپتے رہے اور پھر ان کی آنکھوں سے بھی اشکوں کا سیلاب جاری ہوگیا۔ رک رک کر بولے:

’’آپ لوگ ماں باپ سے دور اس اجڑے دیار میں رہنے آئے ہیں۔ مطبخ کی روکھی سوکھی روٹی اور دال پر گزارہ کررہے ہیں۔ گھر کے ناز و نعم سے محروم ہیں آخر کیوں؟ تعلیم و تربیت ہی آپ کا مقصود ہے۔ یہی توشہ ہے اور یہی منزل بھی۔ مشاعروں میں شرکت بری چیز نہیں ہے مگر آپ کی ترجیحات مختلف اور بہت بلند ہیں۔ مشاعروں میں عوامی ادب، عمومی ذوق اور بازاری اخلاق کی نمائش ہوتی ہے۔ میں اپنے طلبہ کو اس سے بچانا چاہتا ہوں‘‘۔

اخوتِ باہمی کی روایت

طلبہ کے درمیان باہمی اخوت کے نظارے بار بار دیکھنے کو ملے۔ بڑوں کے احترام اور چھوٹوں سے شفقت کی روایت کسی نہ کسی شکل میں قائم تھی۔ بعض طلبہ خدمت، مریضوں کی عیادت اور کم زور طلبہ کی تعلیمی رہ نمائی میں فائق تھے۔ ۱۹۷۳ء کا وہ حادثہ میں فراموش نہیں کرسکتا جب مثالی بورڈنگ کی بالائی منزل کے چھجّے سے مولانا سلامت اللہ اصلاحی کی تہمت اٹھانے کی کوشش میں میرے قدم لڑکھڑا گئے اور میں چھت سے نیچے دور جا گرا۔ رات میں گیارہ بجے کا وقت تھا۔ ایک دم بھگدڑ مچ گئی۔ طلبہ شور وغوغا سن کر دوڑے۔ میرے ہم جماعت حافظ امین الہدیٰ سیونی مدھیہ پردیش نے لپک کر مجھے گود میں

اٹھایا۔ مولانا رحمت اللہ اثری نگراں کے کمرے کے سامنے مجھے چارپائی پر لٹایا گیا۔ محمد اسماعیل سیوان نے اسٹوو پر تیل گرم کیا اور رات بھر پیروں کی مالش کرتے رہے ۔ وہ رات کئی طلبہ اور خود نگراں کی آنکھوں میں کٹی۔ صبح حکیم محمد ایوب کے مطب سے دوا منگائی گئی اور ہفتوں میں صاحبِ فراش رہا۔ بزرگ ساتھی محمد اسماعیل کی شفقت اور خورد نوازی نے میرا دل موہ لیا۔ آج بھی جب انہیں یاد کرتا ہوں دل سے ان کے حق میں دعائیں نکلتی ہیں۔

ہم نے اپنے سینیر طلبہ سے باہمی تعلقات کی حلاوت کا جو تجربہ کیا تھا اسے اگلی نسلوں تک منتقل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر چند واقعات کا تذکرہ کرتا ہوں، اللہ خود ستائی اور تعلّی سے محفوظ رکھے۔ ۱۹۷۴ء میں ایک طالب علم جاوید احسن مجاہد کا داخلہ عالمیت اول میں ہوا۔ وہ ہمارے گاؤں سے پندرہ بیس کلومیٹر دور ضلع سدھارتھ نگر کے ایک گاؤں سمرا کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد مولانا شمیم احمد بستوی علی گڑھ میں ایک مدرسہ میں استاد تھے۔ وہ ہماری ذاتی تربیت میں تھے۔ تعطیل میں ان کو وطن پہنچانا، ان کے گھر ایک شب قیام کرنا اور اگلے دن اپنے گھر کے لیے روانہ ہونا سالوں میرا معمول رہا۔ وہ جامعۃ الفلاح سے ۱۹۸۱ء میں فضیلت کی سند لے کر علی گڑھ آئے اور اسلامک نرسری اسکول میں ملازمت کے ساتھ بی اے شبینہ کورس میں داخلہ لیا تو شفقت نوازی کا تسلسل قائم رہا۔ کرتا پاجامہ پہن کے شان بے نیازی سے یونیورسٹی میں ان کا گھومنا مجھے پسند نہ آیا تو میں نے اپنی شیروانی انہیں تحفۃً دے دی۔ انہیں عربی کتب کے اردو میں ترجمہ کرنے کا فن سکھایا اور بعد میں اس کی اصلاح وتصحیح کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی ترجمہ کردہ کئی کتابیں میری نگرانی میں ہندوستان پبلی کیشنز دہلی سے شائع ہوئیں جن میں اخوانی مصنف البہی الخولی کی کتاب 'الاسلام وقضایا المرأۃ المعاصرۃ' قابل ذکر ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ''عورت اسلام کی نظر میں'' کے نام سے شائع ہوا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے محمد قطب کی کتاب قُبساتٌ من الرسولِ کا بھی ترجمہ کیا تھا۔ پتہ نہیں یہ ترجمہ کیسے گردشِ زمانہ کی نذر ہو گیا۔(۱)

دوسرے طالب علم فضیل اقدس غزالی دربھنگہ بہار نے ۱۹۸۲ء میں جامعۃ الفلاح سے عالمیت کی تکمیل کی۔ ۱۹۷۸-۱۹۷۹ء کے سالوں میں وہ مجھ سے قریب اور کافی مانوس تھے۔ عالمیت دوم وسوم میں عشائیہ کے بعد آدھا گھنٹہ کی چہل قدمی تواتر سے میرے ساتھ کرتے ۔ صرف ونحو کے مسائل، ادب

وانشا کی باریکیاں، سماجی ومعاشرتی پیچیدگیاں، جمعیت الطلبہ کے عہدیداران اوران کا رویہ، احباب کی شکایات وحکایات وہ کون سا موضوع تھا جس پر بحث ومباحثہ کرنا اور ضد کرکے اپنی بات منوانا انھوں نے اپنا معمول نہیں بنالیا تھا۔ معصومیت ان کی فطرت تھی اورشرارت ان کا وطیرہ۔ ذہانت وفطانت سے مسلّح تھے۔ میری تقریری وتحریری دل چسپیوں کودیکھ کے وہ مجھ سے قریب ہوئے اور پھر عزیز تر ہوتے گئے۔

ان دوعزیزوں کا ذکراس لیے کیا کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں، رحمت خداوندی کے جوار میں جاچکے ہیں۔ جب جب ان کی یاد آتی ہے دل میں کسک محسوس ہوتی ہے۔ ایسے طلبہ کی ایک بڑی تعداد ہے جن سے میں نے شفقت ودل داری کا معاملہ کیا اور جو آج بھی مجھے محبوب ہیں۔ ان سے ملاقات ہوتی ہے تو جامعہ کا ماضی آنکھوں میں گردش کرنے لگتا ہے اور پرانے دور کی بازیافت کی تمنّا دل میں ایک ہوک سی پیدا کرجاتی ہے۔

لائبریری کلچر کی تشکیل

المکتبۃ المرکزیۃ (مرکزی لائبریری) کی عظیم ووسیع عمارت کی تعمیر ۱۹۹۷ء-۱۹۹۹ء کی دین ہے۔ اس سے پہلے یہ لائبریری مودودی ہاسٹل کی بالائی منزل کے وسیع ہال میں تھی وہاں صرف درسیات کی کتابیں میسر تھیں۔ داخلہ کے وقت کتب کی فراہمی کے لیے ہم اس لائبریری کا رخ کرتے تھے اور بس۔ لائبریرین مولانا عبدالرؤف منصف قاسمیؒ ۱۹۷۸ء-۱۹۸۱ء کی درشت خوئی اور طلبہ واساتذہ سے ان کی بے نیازی کی وجہ سے ان سے تعامل اور بے تکلفی کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ ان کی شاعری بھی کرخت اسلوب اور آورد کی کسرت معلوم ہوتی۔ فتویٰ نویسی میں بھی وہ فقہ حنفی کے حصار سے باہر نہ نکلتے۔

ہاں جمعیۃ الطلبہ کی لائبریری غیر درسی کتب کا اچھا ذخیرہ تھی اور اس کا دارالمطالعہ اخبارات ورسائل کا مرکز تھا۔ یہ لائبریری مودودی ہوسٹل کی زیریں منزل کے دووسیع کمروں اوران سے متصل برآمدوں میں قائم تھی۔ اس کا معتمد جمعیۃ الطلبہ کا منتخب عہدیدار ہوتا جو اپنی معاونت کے لیے طلبہ کی ایک ٹیم تشکیل دیتا۔ روزانہ عصر سے مغرب تک کتابوں کے ایشو اوراخبارات کے مطالعہ کے لیے وقت متعین تھا۔ جامعہ میں میرے داخلہ کے بعد قاری محمد عرفان شمسی رامپور (۱۹۷۲ء)، نسیم احمد غازی دہلی (۱۹۷۳ء)، شفیق الرحمٰن اعظم گڑھ (۱۹۷۴ء)، نسیم الحق گونڈہ (۱۹۷۵ء)، جاوید اشرف مئو

(۱۹۷۶ء)، امین الہدی مدھیہ پردیش (۱۹۷۷ء)، اشتیاق دانش اعظم گڑھ (۱۹۷۶ء) اور صباح الدین ملک بہار (۱۹۷۹ء) بالترتیب جمعیۃ الطلبہ کے سکریٹری منتخب ہوئے، جنھوں نے معتمد لائبریری کے تعاون سے لائبریری کلچر کی تشکیل کی۔

مجھے جدید افکار ونظریات سے واقفیت کی ایسی دھن سوار تھی کہ اخبارات ورسائل کی ایک ایک سرخی کا مطالعہ کرتا تھا۔ کمیونزم کے مطالعہ کے لیے سودیت دیس اور سوویت جائزہ جیسے پروپیگنڈہ رسائل کو بھی شوق اور اہتمام سے پڑھتا اور اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس کا حوالہ دیتا۔ منشی پریم چند کے ناول میں نے اسی دور میں پڑھے۔ مجھے یاد ہے کہ ان کا ایک ناول ''دھان کا کھیت'' میں نے مطالعہ کے لیے ایشو کرایا تو مولانا رحمت اللہ اثری نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ جب میں نے جمعیۃ الطلبہ کی لائبریری میں ان کتابوں کی موجودگی پر سوال قائم کیا تو بولے: لائبریری میں ہر طرح کی کتابیں موجود ہوتی ہیں ان کا انتخاب آپ کی ترجیح کے مطابق ہونا چاہیے۔

نسیم حجازی کے تمام ناول اسی دور میں پڑھے۔ ناولوں کے مطالعہ کا یہ شوق علی گڑھ میں بھی جاری رہا۔ ابن صفی کے ناول میں نے خرید کے پڑھے، پرانے شماروں کی فائلیں پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کے ہاں سے ملیں۔ انہوں نے مجھے مستنصر حسین تارڑ، مشتاق یوسفی، قرۃ العین حیدر، ابن انشاء، عطاء الحق قاسمی، مختار مسعود، شمس الرحمٰن فاروقی کی تحریروں کی نفاست وحلاوت سے آشنا کرایا۔ یہ سب اس فکری آزادی اور علمی کشادہ ظرفی کی کارفرمائی تھی جس کی تربیت جامعۃ الفلاح کے درودیوار سے حاصل کی تھی۔

اُن دنوں مطالعہ کا ایسا جنون تھا کہ کسی نایاب کتاب کے مطالعہ کے لیے شب بیداری بالکل شاق نہ گزرتی تھی۔ لہریا سرائے دربھنگہ سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی شہرہ آفاق کتاب 'الجہاد فی الاسلام' کا ایک نسخہ کسی صاحب ذوق نے چند دنوں کے مطالعہ کے لیے طلبہ جامعۃ الفلاح کو دی۔ کتاب کی اولین اشاعت کے بعد اس کی طباعت ثانی کو سالوں انتظار کرنا پڑا۔ جامعہ کے شوقین طلبہ نے پیشگی بکنگ کرالی۔ سوئے اتفاق کہ کتاب میری دست رس میں چوبیس گھنٹے کے لیے اس وقت آئی جب کہ امتحانات شروع ہو چکے تھے اور مجھے درمیان امتحان دو دنوں کا وقفہ مل گیا تھا۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اگلے دن اور ایک رات میں کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرلیا اور پھر امتحان کی تیاری میں جٹ گیا۔

یہ محض اللہ کا کرم تھا کہ بہت سے ذہین اور محنتی ہم جماعتوں کی موجودگی میں عالمیت اور فضیلت کی اسناد میں نے پہلی پوزیشن سے حاصل کیں، جب کہ غیر درسی مطالعہ کا چسکا ہونے کے ساتھ اسلامی تحریک طلبہ کی دعوتی واصلاحی سرگرمیوں میں پیش پیش رہتا اور صحافتی دل چسپیاں اس پر مستزاد تھیں۔

لائبریری کلچر کے فروغ میں دل چسپی کا فائدہ یہ ہوا کہ شروع سے مضمون نویسی کی تربیت ہوتی چلی گئی۔ عالمیت اول میں ماہنامہ نور رام پور میں ایک افسانہ ''قاتل کون؟'' اشاعت کے لیے بھیجا۔ اس کے فاضل مدیر مرتضیٰ ساحل تسلیمی نے مسترد کر دیا کہ افسانہ میں تکنیکی خامیاں ہیں۔ میں نے وہ پوسٹ کارڈ مولانا رحمت اللہ اثری کو دکھایا۔ انہوں نے مجھے دلاسا دیا اور مشورہ دیا کہ افسانہ کی جگہ مضمون نگاری پر توجہ دو۔ دعوتی واصلاحی موضوعات کا انتخاب کرو۔ میں نے دعوتی موضوعات کو تختۂ مشق بنانا شروع کیا۔ عالمیت دوم میں پہنچا۔ ایک روز بعد نماز عصر بازار جا رہا تھا۔ واپسی میں مولانا اقبال احمد قاسمی نے سرراہ مجھے بلایا اور شاباشی دی کہ ماہنامہ الدّاعی بمبئی میں تمہارا مضمون شائع ہوگیا ہے۔ میں تیز قدموں سے مولانا انصار احمد فلاحی کی دوکان پر پہنچا تو وہاں مضمون کی زیارت ہوئی۔ بے پناہ مسرت سے سرشار میں نے ابّا کو خط لکھا اور انہیں یہ خوش خبری سنائی۔ افسوس کہ ماہنامہ الدّاعی میں طبع شدہ یہ مضمون میرے ریکارڈ میں محفوظ نہیں ہے۔

۱۹۷۹ء-۱۹۸۰ میں تخصص فی التفسیر میں حافظ احسان الحق فلاحی کے ساتھ میرا بھی داخلہ ہوا۔ ڈیڑھ سو روپے ماہانہ وظیفہ متعین ہوا۔ استاد گرامی مولانا نظام الدین اصلاحی اور مولانا جلیل احسن ندویؒ ہمارے استاد مقرر ہوئے۔ اس دوران لائبریری سے استفادہ اور غیر تدریسی مطالعہ کا رخ متعین کرنے میں مولانا ندوی نے رہ نمائی کی۔ عربی پندرہ روزہ الدعوۃ نئی دہلی میں ایک مضمون انہی دنوں شائع ہوا ''مدارس الهند العربية ومناهجها التعليمية'' کے عنوان سے۔ مولانا سید سلمان ندوی اس کے مدیر شہیر تھے۔ افسوس کہ یہ مضمون بھی ہمارے ریکارڈ سے غائب ہے۔(۲)

اب لائبریری کی عظیم الشان عمارت ذخیرۂ کتب کے ساتھ طلبہ واساتذہ کو خوش آمدید کہنے کے لیے منتظر رہتی ہے۔ بعض طلبہ لائبریری کو آباد کرتے نظر آتے ہیں، مگر اکثریت اس کلچر سے غرابت محسوس کرتی ہے اور اساتذہ تو بیشتر لائبریری سے فاصلہ بنائے رکھتے ہیں۔ غیر درسی مطالعہ کا رجحان روز بروز

---

* اورنگ آباد، مہاراشٹر

کم ہوتا جا رہا ہے اور اس کا خمیازہ جامعۃ الفلاح کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ علمی و تصنیفی دنیا میں ادارہ کی نمائندگی نہیں ہو پا رہی ہے۔ علمی مذاکروں اور سمیناروں میں اساتذہ کی شرکت صفر ہے۔ اس پہلو کی جانب خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

کھیلوں کی تنظیم

مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ مولانا رحمت اللہ اثری مثالی بورڈنگ کے نگراں عصر کے بعد کمروں کا دورہ کرتے اور طلبہ کو کمروں سے باہر نکالتے کہ یہ وقت پڑھنے اور آرام کرنے کا نہیں، مجاہدہ وریاضت اور کسرت کرنے کا ہے۔ مولانا محمد سلامت اللہ اصلاحی اور مولانا ظفر احمد اثری اس وقت کنوارے تھے۔ عصر کے بعد فٹ بال کے ساتھ میدان میں موجود ہوتے۔ طلبہ میں سے کلیم الدین رہتاس بہار، حافظ محمد مصطفیٰ رانچی، محمد اکرم سدھارتھ نگر، فریدالدین اختر بنگال، عبدالمومن بنگال، معین الدین بنگال، علی احمد کٹیہار، صالح سیف اللہ رانچی، جلال الدین امپھال، محمد اختر بستی، اظہار احمد گورکھپور، محمد انیس الدین رانچی، عبدالمغنی رانچی، ابوالمجاہد رانچی، نیاز احمد مئو، ذاکر حسین بلڈانہ، محمد زعیم کان پور، طٰہٰ محمود کلکتہ وغیرہ بڑی پابندی اور لگن سے کھیلتے۔ میں نے بھی جسمانی ورزش کی خاطر سالوں فٹ بال کھیلنے کی کوشش کی مگر دائیں پیر کا انگوٹھا مسلسل زخموں کی آماجگاہ بنا رہا اور ناکامی مقدر رہی۔

دوسری ٹیم والی بال کھیلنے والوں کی تھی اور اس کی سربراہی اکثر جیراج پور اعظم گڈھ کے اسرار احمد کرتے۔ اس فن سے دل چسپی لینے والوں میں عبدالحلیم اعظم گڑھ، اسعد الاثری مدھوبنی بہار، مشتاق احمد سدھارتھ نگر، طارق اکرام اللہ رام پور، وسیم احمد غازی نئی دہلی، صبغۃ اللہ رام پور، حفیظ الرحمٰن سنبھل، صبغت شارق انصار اللہ رام پور، اوصاف احمد بندول، آزاد اقبال بمبئی، عبدالرب بستی، زین العابدین گونڈہ وغیرہ سرفہرست تھے۔

بعض طلبہ کبڈّی کے شوقین تھے۔ برسات میں خاص طور سے جب میدان میں پانی بھر جاتا تو بورڈنگ ہاؤس کے پیچھے قبرستان سے متصل میدان کبڈی کے کھلاڑیوں کا تختۂ مشق بنتا۔ عام طور سے اس کی قیادت بانسی سدھارتھ نگر کے امیر احسن کرتے۔ ایک بار کبڈی کے کھیل میں امیر احسن نے مجھے ایسی ٹنگڑی ماری کہ میرے دائیں پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ مدتوں صاحب فراش رہا۔ زخم کے نشان آج بھی امیر احسن کی مہارت وقوت کا احساس دلاتے ہیں۔ مودودی ہاسٹل کے سامنے وسیع وعریض میدان میں

ایک بار کبڈی کا مقابلہ ہوا۔ میری ٹیم کے سربراہ جاوید اشرف تھے، جب کہ مخالف ٹیم کی قیادت اظہار احمد کے ذمہ تھی۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ میری ٹیم کے کھلاڑی ایک ایک کر کے میدان سے پسپا ہو رہے تھے اور نوبت عزت سادات کو بچانے کی آ گئی۔ اظہار اپنی طاقت، جفاکشی اور چابک دستی کی وجہ سے ناقابل تسخیر سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے دعوت مبارزت دی۔ ہم سب نے آر پار کی لڑائی کا فیصلہ کیا۔ وہ کبڈی پڑھتے ہوئے بڑے طمطراق اور شان تفاخر کے ساتھ آئے۔ ہم نے انہیں گھیرا۔ ان کے پیروں کے درمیان گھس کے انہیں دبوچنے کی جسارت میں نے کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہزیمت سے بچ گئے مگر میرا دایاں شانہ اتر گیا اور تکلیف کی شدت سے میں چاروں خانے چت ہو گیا۔ ساتھیوں نے چارپائی پر اٹھا کے مجھے لٹا دیا اور باجماعت گاؤں کے کسی پہلوان کی خدمت میں حاضری دی جو شانوں کو اتارنے چڑھانے کے فن میں یدطولیٰ رکھتا تھا۔ چیخ و پکار کے ماحول میں اس نے شانے کو اس کی جگہ پہنچا دیا مگر ہمیشہ کے لیے یہ شانہ کمزور ہو گیا۔ علی گڑھ میں چودہ پندرہ مرتبہ یہ سانحہ ہو چکا ہے بالآخر ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ دائیں شانے کو آزاد رکھیں اور بھاری بوجھ اٹھانے سے بچیں کہ یہ اب تکلیف مالا یطاق کے زمرہ میں آ چکا ہے۔

فضیلت کے آخری درجات میں پہنچے تو اسلامی طلبہ تحریک کی تاسیس عمل میں آ چکی تھی ۔ اب نمازوں کی تنظیم، تکبیر اولیٰ تک رسائی میں مسابقت، نوافل واشراق کے ذوق وشوق کی کیفیت ہی روزنامچہ میں درج نہیں ہوتی تھی بلکہ کھیلوں اور جسمانی ریاضتوں سے دل چسپی کا بھی اندراج ہوتا تھا۔ نماز فجر کے بعد طلبہ تحریک کے رضا کار مودودی ہاسٹل کے وسیع سبزہ زار پر لائن لگا کے کھڑے ہو جاتے اور آہستہ خرامی سے دوڑتے ہوئے نصیر پور گاؤں کے سامنے سڑک تک جا کے اسی رفتار سے واپس آتے۔ حافظ احسان الحق فلاحی جسمانی لحاظ سے نحیف تھے مگر وہ بھی اس مجاہدانہ ڈرل کا حصہ بننے کی حتی الامکان کوشش کرتے۔ فوجی تنظیم وتربیت سے استفادہ ہمارے پیش نظر ہوتا۔ نمازوں میں تکبیر اولیٰ کے وقت حاضری کا ریکارڈ سب سے عمدہ ارریہ بہار کے علی مرتضیٰ کا تھا تو کھیلوں میں آزاد اقبال سب سے بازی لے جاتے۔

کھیل کود اور جسمانی ریاضت کا یہ اہتمام جامعۃ الفلاح کی سرکاری سرپرستی سے بے نیاز تھا۔ عام دینی مدارس کی طرح وہاں کے اساتذہ اور مجلس انتظامیہ کو بھی کھیلوں کی تنظیم سے کوئی دل چسپی نہ تھی،

نہ ان کی ترجیحات میں کبھی یہ شامل رہا۔ بعد کے ادوار میں اگر فن جسمانی تربیت کے کسی ڈگری ہولڈر کا تقرر ہوا بھی تو اس پر تدریس اور انتظامی ذمہ داریوں کا ایسا بوجھ لاد دیا گیا کہ اسے اپنے مضمون سے کوئی دل چسپی باقی نہ رہی۔ بجٹ کی تیاری میں کھیل کے مطالبات اور ضروریات کو کبھی شامل نہ کیا گیا۔ ضلع، صوبہ اور ملک گیر سطحوں پر کسی مسابقہ میں طلبہ کو شرکت کا خواب دیکھنے کی راہ تک ہموار نہ ہوئی۔ وقت گزاری اور کچھ جسمانی محنت کے تصور تک عام طور پر انتظامیہ کا ذہن محدود رہا۔ 'طاقت ور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے' حدیث کا ورد ذوق شوق سے ہوتا رہا، مگر اس حدیث کے نفاذ کی کوئی عملی شکل اختیار نہ کی گئی۔

آدابِ اجتماعیت کی تعلیم

طلبہ میں ٹیم اسپرٹ نہ ہو اور وہ اجتماعیت کے خوگر نہ بن سکیں تو وہ ذمہ دار شہری بن سکتے ہیں نہ معاشرہ کی تعمیر وترقی میں حصہ داری نبھا سکتے ہیں۔ اسکاؤٹنگ، ایجوکیشنل ٹور، نیشنل کیڈٹ کارپس، تحریری، تقریری اور ثقافتی پروگرام۔ یہ سب طلبہ کو آداب اجتماعیت کی تعلیم دینے اور ان کی عملی وفنّی تربیت کرنے کے لیے منعقد کئے جاتے ہیں۔ جامعۃ الفلاح کے کیمپس میں یہ فنّی اور عملی تربیت جمعیۃ الطلبہ کی تشکیل سے فراہم کی گئی۔

علمی وعملی استعداد کی افزائش کے علاوہ اجتماعی زندگی گزارنے کا ہنر سکھانا بھی جمعیۃ الطلبہ کے اغراض ومقاصد میں شامل رہا۔ اندرون ملک اور بیرون ملک سے آنے والے رسائل وجرائد کا اہتمام، اردو، عربی، انگریزی، ہندی میں ہفتہ وار جلسوں کی تنظیم، مختلف زبانوں میں قلمی رسائل کا اجرا، الفلاح کے نام سے سالانہ میگزین کی طباعت، صفائی، خدمت خلق، باغبانی اور روزمرہ کی ضروریات کی خرید وفراہمی کے لیے اسٹور کا منصوبہ۔ یہ سارے پروگرام آدابِ اجتماعیت کی عملی مشق بہم پہنچانے کی خاطر چلائے جاتے۔

جمعیۃ الطلبہ کے معتمد اور اس کی کابینہ کا انتخاب عربی درجات کے طلبہ اساتذہ کی نگرانی میں براہ راست کرتے۔ اساتذہ وانتظامیہ کا کوئی عمل دخل نہ ہوتا۔ متوقع امیدوار جوڑ توڑ کی خاموش اور خفیہ سیاست بھی کرتے، مگر جمہوری طریقہ کار کا غلبہ رہتا۔ جمعیۃ الطلبہ کے معتمد کے بعد سب سے حساس اور انتظامی صلاحیت ولیاقت کے اعتبار سے اہم ترین عہدہ معتمد مطبخ کا تھا۔ مطبخ کے نظام کا مطلب تھا

ڈائننگ ہال میں ایک دسترخوان پر تمام طلبہ کے ناشتہ، ظہرانہ اورعشائیہ کی فراہمی وتقسیم کا نظام کار وضع کرنا اور حکمت وفراست سے اسے نافذ کرنا۔ معتمد مطبخ اپنی ٹیم کی تشکیل خود کرتا۔ ہفتہ کے سات دنوں میں نظام کار کی صحیح اور موثر تنفیذ کے لیے سات جماعتوں کی تشکیل۔ کرسی و میز کے استعمال کی جگہ فرش پر بیٹھ کے کھانے کا نظم تھا۔ مطبخ میں شور وغل سے بچنے کے لئے ضروریات کی طلبی کا ایک میکانزم موجود تھا۔ ایک انگلی کے اشارہ سے روٹی، دوانگلیوں کے اشارہ سے دال اور چار انگلیوں سے چاول کی طلبی کا مفہوم متعین تھا۔ سنیچر کی شام کو گوشت کا اہتمام ہوتا۔

ابتدائی درجات کے طلبہ روٹی کا درمیانی حصہ شوق سے کھاتے اور کنارے کے ٹکڑوں کو نظر بچا کے چھوڑ دیتے۔ تعلیم و تذکیر کے باوجود انہیں ان ٹکڑوں کو کھانے میں زحمت محسوس ہوتی۔ مولانا شہباز اصلاحیؒ کو بارہا دیکھا کہ دسترخوان سے وہ بریدہ ٹکڑوں کو چنتے اور چھوٹے بچوں کے درمیان بیٹھ کے بڑے شوق سے تناول فرماتے۔ رزقِ خداوندی کی قدردانی کی یہ عملی تربیت بڑی موثر ثابت ہوتی۔ ان کی تقلید میں بعض بڑے طلبہ بھی اس سنت شہبازی کو دہرانے میں فخر محسوس کرتے۔

سنیچر کی شب میں عام طور سے گوشت کا اہتمام ہوتا۔ صحت منداور قدرے چلبلے طلبہ اس دن کسرت اور جسمانی محنت زیادہ کرتے کہ بھوک کی شدت بڑھے اور کھانا گھٹ جانے پر ہنگامہ ہو۔ محمد اسحاق صدیقی سیوان اور حافظ جہانگیر احمد اعظم گڑھ شہ زور اور تنومند مانے جاتے تھے۔ جمنازیم کا باقاعدہ اہتمام ان کی دل چسپی تھی اوراس کی وجہ سے بارہ سے اٹھارہ روٹیوں کی خوراک ان کے معمولات میں شامل تھی۔ بعد میں صباح الدین ملک نوادہ بہار بھی اس فہرست میں شامل ہوگئے۔ نگراں مطبخ منشی جنید احمد بڑے تجربہ کار منتظم تھے، مگر بسا اوقات ان کی انتظامی مہارت بھی شکوہ کناں ہوتی اور کھانے کی مقدار ناکافی ہونے کی وجہ سے ہنگامہ ہوتا۔ کامیاب اورمعروف معتمدین مطبخ میں محمد اکرم سدھارتھ نگر، محمد زعیم کانپور، عبدالقوی سدھارتھ نگر، محمد طارق بھوپال، شفیق الرحمٰن بندی گھاٹ، عبدالہادی مئو، فریدالدین اختر بنگال کے اسماء سرفہرست ہیں۔

افسوس ہے کہ بعد کے زمانے میں مطبخ میں کھانا کھلانے کا یہ اجتماعی نظام معطّل کردیا گیا۔ اب طلبہ کے کمروں میں ٹفن فراہم ہونے لگا اور اجتماعیت کے آداب کی تعلیم کا ایک موثر پلیٹ فارم بند ہوگیا۔ مولانا عبدالحسیب اصلاحی اس تبدیل شدہ صورت حال پر سخت ملول ہیں۔ دوسرے اساتذہ کا ردّعمل معلوم نہیں۔ (۳)

ناشتہ میں اُبلے ہوئے چنے طلبہ کا مقدر تھے جس پر زمانہ کے تغیر و تبدّل کا کوئی ادنیٰ اثر دکھائی نہ دیا۔ ہاں عیدالاضحیٰ کے ایام میں قربانی کے جانوروں کی کلیجی اس پر سونے کا سہاگہ معلوم ہوتی ۔ جب بھوک کی شدت ہوتی یا نماز فجر کے بعد کی ورزش اپنا رنگ دکھاتی تو شبینہ کی باقی ماندہ روٹی کے ٹکڑے نعمت غیر مترقّبہ محسوس ہوتے۔ مطبخ کی دال اپنی لذت میں لاجواب تھی۔ میری اہلیہ طاہرہ فہد نے کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح کی عالمیت کی طالبہ ہونے کے ناطے دوسال مطبخ کے نانِ جویں اور پتلی دال کا کیف حاصل کیا۔ آج بھی اسے دعوتِ شیراز سے موسوم کرتی ہیں۔ ہمارا اپنا حال یہ تھا کہ کھانے کے آخر میں رہی سہی کسر دال نوش کر کے پوری کرتے۔ ان دنوں مطبخ کی طعام فیس تیس بتّیس روپے ماہانہ تھی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بی یو ایم ایس کرنے والے فلاحی طلبہ محمد اطہر ریحان حمزہ پور سلطان پور، نسیم احمد گونڈہ، حمد اللہ فراہی اعظم گڑھ مطبخ جامعۃ الفلاح اور ڈائننگ ہال علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا تقابل کرتے اور اس تقابل میں مطبخ کے نظام کو فضیلت اور برتری ملتی کھانے کی کمیّت و کیفیت کے اعتبار سے بھی اور فیس کی ارزانی کی وجہ سے بھی۔ علی گڑھ کی طعام گاہ کو پورے ملک میں اس اعتبار سے بہرحال امتیاز حاصل ہے کہ ہندو، مسلم اور عیسائی سب ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں۔ رواداری، اتحاد و یگانگت اور مشترکہ تہذیب کی پاس داری اس کی خصوصیت ہے۔ ڈائننگ ہال کے نظام کے خلاف احتجاج، کبھی نقص واقعی کی بنا پر اور زیادہ تر سیاسی صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے لیے، ہندو اور مسلمان طلبہ دونوں مل کر کرتے ہیں۔ اس رواداری اور احتجاج میں فرقہ واریت کو سر اٹھانے کا موقع کبھی نہیں ملتا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طعام گاہ کے امتیازات اور بھی ہیں۔ ۱۷ اکتوبر کو مادر درس گاہ ہی نہیں دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اس کے فرزندانِ قدیم ڈنر کا اہتمام اسی مذہبی رواداری اور یگانگت کے جذبے سے کرتے ہیں۔ علی گڑھ میں ایک شامیانہ کے نیچے ہزاروں طلبہ و اساتذہ کا بیک وقت عشائیہ دوسروں کو ناقابل یقین اور محض اسطورہ معلوم ہوتا ہے۔ اس عشائیہ میں تزک و احتشام اور انتظام و انصرام کا مظاہرہ جامعہ کے اندر حالات کے حسب سابق معمول پر ہونے اور امن و آشتی کی ضمانت فراہم کرنے کا غمّاز بھی ہے اور یونیورسٹی انتظامیہ کی کامیابی کا سرٹیفکٹ بھی۔

آداب اجتماعیت کی نظری و عملی تعلیم کا ایک محاذ نظافت و باغ بانی کے حسب ضرورت اور تقریب کی

مناسبت سے انجام پانے والے وہ منصوبے تھے جو گاہ گاہ اور بغیر تسلسل کے مرتب ہوتے تھے۔ ان وقتی منصوبوں میں جان کھپانا اور عارضی طور سے طہارت کی تحریک چلانا نگراں بورڈنگ کے ذوق اور طلبہ کے اندر اس کی محبوبیت پر منحصر تھا۔ بیت الخلا کی صفائی، ہوسٹل کے لان کی ستھرائی، نالیوں کے مسلسل رواں رہنے کی ضمانت، ہوسٹل کے عقب میں کوڑا کرکٹ کو خاکستر کرنے کی مہم، مسجد کے در و دیوار اور وسیع لان کی نظافت۔ یہ سارے پروگرام جمعیۃ الطلبہ کے ایجنڈے میں شامل تھے اور طلبہ بڑے تزک واحتشام سے اس مہم کا حصہ بنتے۔

مولانا شہباز اصلاحی کی مقبولیت اور ہر دل عزیزی کا مشاہدہ ان آنکھوں نے خود کیا۔ ہوسٹل کے تمام بیت الخلا غلاظت سے لبریز ہو گئے اور ان کا مزید استعمال ممکن نہ رہا۔ متعفّن پانی کی نکاسی کے لیے تیار کردہ زیر زمین کنواں (Septic Tonk) ابل پڑنے کو بے تاب ہو گیا۔ اس کی صفائی کے لیے مہتر کی خدمات حاصل کرنے کی تجویز آئی۔ مہتروں نے اس ہنگامی ضرورت اور حساس موقع کا استحصال کیا۔ اور اپنی اجرت نا قابل قبول حد تک بڑھا دی کہ ان سفید پوشوں کے پاس کوئی اور انتخاب نہیں رہ گیا ہے۔ مولانا اصلاحی نے انہیں دھتکار دیا اور اپنے پیارے طلبہ کو آواز دی۔ خود خم ٹھونک کے ٹینک کے دہانہ پر براجمان ہو گئے ''طہارت نصف ایمان ہے، یہ ہمارے دین کا حصّہ ہے۔ ہم نمازیوں سے بڑھ کے طہارت ونظافت کا سلیقہ کسے معلوم ہے''، مستقل ان جملوں کی تکرار کرتے رہے۔ مولانا محمد عمران فلاحی، حافظ محمد اسماعیل سیوان اور دوسرے بزرگ طلبہ بڑی مجاہدانہ شان سے آگے بڑھے۔ مولانا محمد عمران فلاحی کنویں کے اندر اتر گئے۔ وہ غلاظت سے بھری بالٹی اوپر اٹھاتے اور دوسرے طلبہ اسے لپک کے تھام لیتے۔ مولانا اصلاحی بھی گاہے گاہے بالٹی پکڑتے، مگر طلبہ ان کے آگے بچھے جاتے۔ وہ اپنے محبوب استاد کو تعفّن سے دور رکھنے میں اپنی شان تصور کرتے۔ گھنٹوں کی محنت سے ان طلبہ نے تاریخ رقم کر دی۔ (۴) اپنی بے نفسی، مہر و وفا اور اخلاص کی مثال قائم کر دی۔ ان کفش برداروں کو بجا طور پر کہنے کا حق ہے۔

سینچا ہے اسے خون سے ہم تشنہ لبوں نے
تب جا کے اس انداز کا میخانہ بنا ہے

اس دور میں جمعیۃ الطلبہ کے سالانہ جلسے بڑے کروفر اور طویل تیاری کے ساتھ ہوتے۔ یہ طلبہ کی

تعلیمی وادبی لیاقتوں کا مظاہرہ ہوتا تھا۔اس طرح کے مواقع پر مولانا شبیر احمد اصلاحی مسیحائی کرتے نظر آتے۔صدر دروازے سے لے کر تعلیم گاہ تک سڑک کی مرمت واصلاح، صفائی ستھرائی، دورویہ پودوں کی عارضی کاشت اوران کی نگہبانی کے فرائض مولانا اصلاحی کی نگرانی میں طلبہ ذوق وشوق سے ادا کرتے۔ مسجد کی چھت مکمل ہونے کے بعد وسیع لان میں مٹی کی بھرائی طلبہ نے کی تھی ۔ یہ ۱۹۷۱-۱۹۷۲ء کا دور تھا۔مولانا عبدالحسیب اصلاحی کی زیرنگرانی تعمیر مسجد کا آغاز ۱۹۶۸ء میں ہوا اور ۱۹۷۰ء میں عمارت مکمل ہوگئی اور باجماعت نماز کی ادائیگی شروع ہوگئی۔وسیع صحن کے گڈھوں کو بھرنے کا کام طلبہ نے کیا۔مسجد کے جنوب میں کھپریل اور کچی دیوار کی عمارت زمین بوس کی گئی۔اوراسی ملبہ سے مسجد کے صحن کو ہموار کیا گیا۔نماز عصر کے معاً بعد طلبہ جمع ہوجاتے اوراپنی اپنی بساط کے مطابق اس کارخیر میں حصہ لیتے ۔فریدالدین اختر بنگال اس مہم میں پیش پیش تھے ویسے عبدالمنّان اورنگ آباد، بدرعالم بلریا گنج، معین الدین بنگال، عبداللہ گونڈہ، منہاج الاسلام ہزاری باغ وغیرہ بھی پیچھے رہنے والوں میں نہ تھے۔میری حیثیت اس وقت ایک کم سن اورنو وارد طالب علم کی تھی مگر ثواب کمانے سے مجھے کوئی روکنے والا نہ تھا۔

خودشناسی وخودنگری کی تربیت

جامعۃ الفلاح کے نظام تعلیم کی امتیازی خصوصیت تحقیقی واستخراجی طریقہ تدریس ہے تاکہ طلبہ میں تدبر وتفکر کی صلاحیت پیدا ہواور وہ استنباطی وتحقیقی صلاحیت کوفروغ دے سکیں۔اسی لیے فقہ اسلامی کی تدریس تقابلی طریقے پر کی جاتی ہے تاکہ مسلکی حصار ٹوٹے اور فقہ اسلامی کے تنوع اور وسیع الاطراف حکمت دین سے طلبہ ثمر بارہوں۔یہ توسّع اور رنگارنگی فقہ اسلامی کوثروت مند بناتی ہے اور طلبہ واساتذہ کو اسرارومقاصد شریعت سے قریب تر کرتی ہے۔(۵)

جامعۃ الفلاح کے کیمپس میں اکثریت فقہ حنفی کے پیرووں کی تھی طلبہ میں اوراساتذہ میں بھی۔مگر کسی مسلکی تنازع، فقہی گروپ بندی کا کوئی گزر نہ تھا۔ بدایۃ المجتہد کی تدریس نے فکری اجتہاد کے امکانات بھی پیدا کیے۔علاّمہ ابن رشد القرطبیؒ (متوفی ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء) فقہ مالکی کے امام تو تھے ہی، مجتہد فی المذہب بھی تھے۔مختصر القدوری اور ہدایہ کی تدریس بھی ہوتی تھی مگر شافعی فقہ اوراہل حدیث مسلک کے متبعین کی تعداد بھی کم نہ تھی ۔ مدرسۃ الاصلاح، دارالعلوم ندوۃ العلماء، دارالعلوم دیوبند، جامعہ

دارالسلام عمرآباد، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، جامعہ ام القریٰ مکّہ، جامعۃ الصالحات رامپور کے اساتذہ اور معلّمات شیر وشکر ہوکے رہتے۔ مفتی عبدالرؤف منصف مبارک پوری کے فقہی ارشادات وفتاوے اتحادو سالمیت کی راہ میں کبھی حجاب نہ بنتے۔

فکری آزادی اور فقہی توسّع کے اس ماحول میں ہماری خودشناسی وخودنگری کی تربیت بھی ہوئی۔ ہم نے اجتماعی سطح پر جو اقدامات کئے اور طلبہ کے مفادات کی رعایت میں جو غیر معمولی فیصلے لیے وہ اسی فکری آزادی اور خودشناسی کی تربیت کا مرہون تھے۔ اخلاص ووفا کے باوجود بعض اقدامات ضابطہ شکنی اور قواعدِ جامعہ سے بغاوت تصور کئے گئے اور قانون کو ہاتھ میں لینے کی قرار واقعی سزا بھی ملی۔ طلبہ کے اخلاص وتدبر اور اتحاد و یک جہتی کا کمال تھا اور انتظامیہ کی ذکاوت، معاملہ فہمی اور حسن انتظام کا اثر کہ جلد ہی بحران قابو میں آ گیا اور حالات حسب معمول ہو گئے۔

اقامت صلوٰۃ سے شغف

نمازوں کی پابندی، فجر میں خاص طور سے تکبیر اولیٰ کا اہتمام جامعۃ الفلاح کے طلبہ زیادہ تر کرتے۔ قاری محمد عرفان شمسی رام پور کی اذان فجر کا شہرہ تھا۔ مولانا عبدالحسیب اصلاحی کی خواہش رہتی کہ فجر میں یہ خدمت وہی انجام دیں۔ وہ شب بیداری اور تہجد کے پابند تھے۔ آواز میں سوز تھا اور اس پر مستزاد ان کی تقویٰ وطہارت کی زندگی تھی۔

فجر کی نماز کی امامت مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی بڑے جذب وشوق کے عالم میں اور ترتیل کے قواعد کی بھرپور رعایت کے ساتھ کرتے۔ ان کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کا کیف ہی کچھ اور تھا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ قرآن نازل ہورہا ہے۔ ۱۹۷۹ء میں ایرانی انقلاب نے مغرب کے مکروکید کو بے نقاب کردیا۔ رضا شاہ پہلوی کے تخت کی حفاظت میں وہاں کی خفیہ پولیس ساواک اور امریکہ شیطان بزرگ نے ظلم وستم کے نئے ریکارڈ قائم کئے۔ دنیا کی اسلامی تحریکوں نے ایرانی انقلاب کو خوش آمدید کہا اور مستضعفین کی ساری ہمدردیاں ایران کی نئی حکومت کے ساتھ ہوگئیں۔ امریکہ کے دوحملہ آور جہاز دشت وصحرائے ایران میں تائید غیبی سے گرکر تباہ ہوئے اور عرب اسلامی صحافت میں ایک نئے فعل رباعی کرتر کا اضافہ کر گئے:

کَرتَر یکَرتِر کَرتَرَۃً بروزن دحَرج یُدحَرِجُ دَحرجۃً

یعنی جمی کارٹر صدر امریکہ نے اپنی پوری طاقت جھونک دی ایران کے خلاف اور ناکام ہوگیا۔
یہی دور تھا جب مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی نے مہینوں نماز فجر کی امامت کرتے ہوئے قنوت نازلہ کا اہتمام کیا۔ ان کے یہ عربی جملے آج تک رگ و ریشہ میں حرارت دوڑاتے ہیں:

اللهم اهلكِ الأمريكيّين الماكرينَ والعنِ الفرنجةَ واليهودَ والغربيّين. اللهم شتّت شملهم. اللّهم دمّر ديارهم! اللّهم مزّق جمعهم..

اے اللہ، تو مکار امریکیوں کو ہلاک کردے۔ انگریزوں، یہودیوں اور مغرب نوازوں پر لعنت بھیج۔ اے اللہ، تو ان کی وحدت کو پارہ پارہ کردے۔ اے اللہ، تو ان کے گھروں کو تہس نہس کردے۔ اے اللہ، تو ان کی جمعیت کو منتشر کردے!

مقتدی بڑی مجاہدانہ شان سے امام کے ہر جملے پر بہ آواز بلند آمین کہتے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ ہم میدان جنگ میں امریکیوں پر میزائل برسا رہے ہیں۔
رمضان کے مہینے میں مولانا سبحانی تراویح پوری تیاری اور اہتمام کے ساتھ پڑھاتے۔ ایسا خشوع وخضوع کہ بسا اوقات رات کے بارہ بج جاتے۔ ان کے والد حافظ ہدایت اللہ گورکھپوریؒ کو قرآن بہت اچھا یاد تھا۔ وہ سامع کا کردار نبھاتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ مولانا سبحانی کی قرأت اور تراویح کا لطف اٹھانے کے لیے ہم نے رمضان کی پوری تعطیل جامعہ میں گزاری اور عید سے ایک دو دن پہلے اپنے وطن پہنچے تو ماں نے بھیگی آنکھوں سے استقبال کیا اور پتھرائی ہوئی آنکھوں سے روز راہ دیکھتے رہنے کا شکوہ کیا۔ بعض طلبہ جیسے امیر احسن بانسی سدھارتھ نگر اور محمد یٰسین رانچی ایسے بھی تھے جو بلریا گنج کی عیدگاہ میں مولانا سبحانی کا خطبہ سننے کی غرض سے عید بھی وہیں مناتے۔ عجب جنون تھا جو ماں باپ کی محبتوں اور وطن کی راحتوں کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔
آنجہانی اندرا گاندھی نے ۲۵؍جون ۱۹۷۵ء کو ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کردیا۔ ملک کی تمام سیاسی جماعتوں پر بشمول جماعت اسلامی پابندی عائد کردی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے جیالوں نے پورے ملک کے دورے شروع کئے اور یہ پیغام پہنچانے میں کامیاب ہوئے کہ جماعت اسلامی پر بندش لگی ہے تو کیا ہوا، دعوت دین کا قافلہ سست پڑسکتا ہے نہ اپنی راہ کھوٹی کرسکتا ہے۔ نئے ادارے، نئی تنظیمیں اور نئی انجمنیں تشکیل دی جائیں اور اقامت دین کا سفر جاری رہے۔ چنانچہ ۱۹۷۵ء ہی

میں تنظیم الشّبان جامعۃ الفلاح کے احاطہ میں قائم ہوگئی۔ تنظیم الشّبان کے قیام کی تحریک فراہم کی ڈاکٹر شکیل احمد الٰہ آباد، برادر کے سی سلیم کیرالہ اور برادر محمد ممتاز علی حیدرآباد نے جو ایمرجنسی کے دوران پورے ملک کے طول وعرض کو اسی مقصد کے لیے ناپ رہے تھے۔ یہی تنظیم آگے چل کر ۹-۱۰/مارچ ۱۹۷۶ء کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک اجلاس میں اسلامی طلبہ تحریک میں ضم ہوگئی۔(۶)

تنظیم الشبان کیا قائم ہوئی، دردمند اور حسّاس طلبہ تحریک اسلامی کے جاں نثار سپاہی بن گئے اور اقامت صلوٰۃ کی مہم کے جاں باز مجاہد۔ اب تو نمازوں میں حاضری کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنے کا نظم ہوا اور احتساب کا محکمہ چاق وچوبند ہوگیا۔ طلبہ نے ادائے صلوٰۃ کی تحریکیں چلائیں۔ قمری ماہ کی ۱۳تا۱۵ تاریخوں (ایّام بیض) میں روزہ رکھنے کا اجتماعی نظم ہونے لگا۔ شب بیداری اور تلاوت قرآن کی عادت ڈالنے کے لیے اجتماعی تہجّد کی روایت تشکیل پائی۔

شارق انصاراللہ کو شکایت ہوئی۔ اجتماعی تہجّد کی روایت بدعت ہے۔ اسے فوری طور سے بند کیا جائے۔ میں نے مولانا جلیل احسن ندوی سے استفتا کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ روایت نامناسب ہے۔ انفرادی تہجّد کی تعلیم وتربیت ہی سنت ہے۔ اس مہم کو عارضی وقفہ تک چلاؤ۔ پھر اجتماعی نظم کو روک دو اور صراحت کرتے رہو کہ انفرادی سطح پر شب بیداری ہی سنت ہے۔

مولانا عبدالحسیب اصلاحی خطبۂ جمعہ میں، اسمبلی ہال میں، تذکیری مجلسوں میں جب بھی نماز کی اقامت پر گفتگو کرتے تو سورۂ المومنون کی ابتدائی آیات کے حوالے سے فرماتے کہ نماز منبعِ حسنات ہے اور محافظ خیرات بھی۔ اسی لیے کامیاب اہل ایمان کی اولین صفت قرآن میں یہ بتائی گئی:

اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (المومنون:۲)

(جو اپنی نمازوں میں فروتنی اختیار کرتے ہیں)

اہل ایمان کی مختلف صفات کا حوالہ دینے کے بعد قرآن نے آخر میں کہا:

وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ (المومنون:۹)

(اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں)(۷)

اس لیے نماز کو دین کا ستون کہا گیا ہے اگر یہ ستون منہدم ہوگیا تو دین کی مکمل عمارت زمین بوس ہوجائے گی۔ نگراں ہاسٹل بھی اور جملہ اساتذہ بھی اٹھتے بیٹھتے نماز کی وقت پر ادائیگی کی تلقین کرتے۔ نماز فجر کے لیے خاص طور سے نگراں کمرے کمرے جاکر طلبہ کو بیدار کرتے اور بعض نگراں چھڑی سے

پاؤں کے نچلے حصے پر ہلکی ضرب بھی لگاتے کہ شیطان کی اکساہٹ طالب علم کو جماعت چھوڑ کر نیند پوری کرنے پر اصرار نہ کرے۔ یہ نظام عام طور سے بڑا موثر ہوتا مگر ہوشیار اور شریر طلبہ ان انتظامی اقدامات کو کہاں خاطر میں لاتے۔ عقل عیّار سو تدبیریں نکال لیتی۔

بسا اوقات خیال ہوتا ہے کہ جامعۃ الفلاح کے قیام ۱۹۶۲ء سے لے کر ۲۰۱۲ء میں تقریب گولڈن جبلی تک کے علمی و تربیتی سفر میں شاید ہمارا دور (بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی) مثالی تھا۔(۸) ہم نے اپنی بساط بھر کسب فیض کیا۔ اساتذہ سے تعلیم و تربیت کے گُر سیکھے اور طلبہ کے درمیان رہ کے معاشرت اور سماج کے تقاضوں سے عہد برآ ہونے کا سلیقہ۔ شاید اس سے بہتر تعلیم و تربیت فراہم کردہ حالات و وسائل اور سہولیات میں ممکن نہ تھی۔ خواہش ہوتی ہے کہ کاش وہی مخلص اور جاں باز اساتذہ پھر عہد وفا استوار کرلیں۔ طلبہ کی آنکھوں میں اجتماعیت کے آداب اور تعمیر و ترقی کے وہی خواب بھر جگ مگ ہوں اور ایک روشن مستقبل کی تمنائیں ان کے دلوں میں پھر کروٹیں لینے لگیں۔ ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

حواشی و مراجع

۱- ''عورت اسلام کی نظر میں'' (البہی الخولی کی عربی تصنیف الاسلام و قضایا المرأۃ المعاصرہ کا اردو ترجمہ) اردو ادبیات میں اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتاب کی متعدد بحثیں انقلابی ہیں اور روایتی موقف سے سے بڑھ کر اجتہادی نوعیت کی ہیں مثال کے طور پر مصنف نے ص ۱۵۶-۱۵۷ پر ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کیا ہے۔ دور رسالت، خلافت صدیقی اور ابتدائی دو سالہ خلافت فاروقی میں تعامل یہی تھا کہ اس طرح کی تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کیا جائے۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا کہ لوگ شریعت کی نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھارہے ہیں اور طلاق کی کثرت ہونے لگی ہے اس لیے سنت نبوی سے کھیل کرنے والوں کی تعزیر ہو اور تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دے کر میاں بیوی میں فرقت کا فیصلہ کردیا جائے۔ ''لیکن تجربہ سے ثابت ہوگیا کہ حضرت عمرؓ کی یہ حکمت لوگوں کو اس سے باز نہ رکھ سکی اور وہ مسلسل یہی غلطیاں کررہے ہیں۔ اس لیے اب ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم سنت نبوی ہی پر عمل کریں اور تین طلاقوں کو ایک مانیں۔''

اسی طرح شادی بیاہ کی تقریبات میں، جہاں دف بجانے میں کوئی حرج نہیں ہے، دوسرے آلاتِ موسیقی کے استعمال کو بھی فاضل مصنف نے جائز قرار دیا ہے۔ ''اس سے ایک قدم آگے بڑھ کے میں اس طرح کے کھیل کود اور ڈراموں کو بھی جائز سمجھتا ہوں جیسا کہ حبشی کیا کرتے تھے۔ صرف ایسی چیزیں

حرام ہیں جو شہوت کو ابھارنے والی اور غارت گر اخلاق ہوں کیوں کہ اس طرح کے کھیلوں کو خوشیوں کے مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دیکھا ہے اور اس کے اہتمام کا مشورہ بھی دیا ہے۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو زندگی کی لذتوں اور مسرتوں سے محروم نہیں رکھتا بلکہ وہ ان سے بہرہ اندوز ہونے کے مواقع فراہم کرتا ہے تاکہ ان کی زندگیوں میں جمود نہ ہو بلکہ ذوقِ جمال اور ذوقِ عبادت ہم آہنگ و یک رنگ ہو جائیں۔'' ص ۸۸-۸۹

۲۔ ۱۹۷۸-۱۹۷۹ء کے دوران راقم نے کئی علمی کام اپنی صلاحیت کے مطابق مولانا جلیل احسن ندوی اور مولانا عنایت اللہ سبحانی کی نگرانی میں کیے۔ ان میں سے بعض شائع ہوئے اور بعض مسودات میں گم ہو کر رہ گئے، جیسے:

(الف) ۱۹۷۵-۱۹۷۶ء میں ایمرجنسی کے دوران مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے تراشے اور ان کی تدوین و تنظیم روزنامہ پرتاپ نئی دہلی کے مدیر کو اشاعت کے لئے بھیجا مگر ناکام رہا۔ یہ تدوین بطور خاص مولانا جلیل احسن ندویؒ کے ایما پر ہوئی تھی۔

(ب) سائنس اسلام کا مخالف نہیں، الفلاح میگزین جامعۃ الفلاح ۔ ۱۹۷۸ء

(ج) اسلام۔ ایک ابھرتی ہوئی طاقت، اسلامک پبلشرز رام پور، اکتوبر ۱۹۷۸ء

(د) مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی کی تقریروں کا مجموعہ ''میرا پیام اور ہے!' دار البیان جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ، ۱۹۷۹ء

(ہ) حیات نو ''مجدّد مودودیؒ نمبر''، ۱۹۷۹ء

تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کی کتاب، اللہ کے مددگار (دینی و اصلاحی تحریروں کا انتخاب)، مشکوٰۃ پرنٹرز اینڈ پبلشرز علی گڑھ، ۲۰۱۷ء، ص ۱۳

جنوری ۱۹۷۸ء میں ماہ نامہ حیات نو اعظم گڑھ کی اشاعت شروع ہوئی تو دعوتی و اصلاحی اور علمی مضامین لکھنے کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا۔ حیات نو میں شائع شدہ مضامین کا ایک انتخاب طبع ہو چکا ہے جس کا اوپر حوالہ گزرا۔ دوسرے رسائل و اخبارات میں بھی بعض مضامین شائع ہوئے جن میں سے بعض کا ریکارڈ خوش قسمتی سے محفوظ ہے:

(الف) انسانیت کا مستقبل، روزنامہ دعوت نئی دہلی، ۲۵/ اگست ۱۹۷۷ء

(ب) اسلام کا نظام عدل و قسط، روزنامہ دعوت نئی دہلی، یکم دسمبر ۱۹۷۷ء

(ج) یروشلم صلیب پر۔ فلسطین کی بربادی میں کس کس کا ہاتھ؟ ہفت روزہ دعوت نئی دہلی، یکم فروری ۱۹۸۱ء

۳۔ جامعۃ الفلاح کے مطبخ پر ایک خوبصورت اور دل کش تحریر کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر امتیاز وحید فلاحی، جریدہ حیات نو، اپریل جون ۲۰۱۵ء

۴۔ مولانا محمد اسماعیل فلاحی (مصاحبہ ۳؍جون ۲۰۱۹ء راقم کی رہائش گاہ) کی روایت ہے کہ ۱۹۷۶ء میں جمعیۃ الطلبہ کے انتخاب میں معتمد عام جاوید اشرف مقرر ہوئے اور وہ خود معتمد صفائی۔ ایک بار Septic Tank کے لبریز ہونے کے بعد انہوں نے اپنے چچا مولانا شہباز اصلاحی کی قائم کردہ روایت کی یاد تازہ کی۔ طلبہ کے ایک گروپ کے ساتھ مل کر ٹینک کی صفائی کی اور اس طرح طہارت و نظافت کے تئیں حسّاسیت کا عملی نمونہ پیش کیا۔ صفائی کی اس مہم میں محمد زعیم کان پور پیش پیش تھے۔

۵۔ یادگار ڈائری ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء، گولڈن جبلی جامعۃ الفلاح ۱۹۶۲ء-۲۰۱۲ء، زیر اہتمام محمد عبدالسلام بستوی فلاحی، ۲۰۱۲ء نصاب تعلیم کی چند خصوصیات۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بی اے انگریزی کے طالب علم ہوئے۔ مزاج میں ٹھہراؤ نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم ادھوری چھوڑ کے دارالعلوم دیوبند افتا کے لیے گئے۔

۶۔ تفصیل کے لیے دیکھئے ''کاروانِ جنوں۔ پہلی کل ہند اسلامی طلبہ تحریک کی داستان عزیمت''، جلد اول: قیام تا ۱۹۸۵ء، مرتب نعمان بدر فلاحی، غیر مطبوعہ، ص ۵۴-۶۱

۷۔ یہ جملے مولانا امین احسن اصلاحی کی شاہ کار تفسیر تدبر قرآن سے مستعار ہیں۔ مولانا اصلاحی لکھتے ہیں کہ نماز ہی تمام دین کی محافظ ہے۔ ان آیات میں دین کی اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ نماز ہی سے تمام نیکیاں نشو و نما بھی پاتی ہیں اور وہی اپنے حصار میں ان کی حفاظت بھی کرتی ہے۔ اگر نماز وجود میں نہ آئے تو دوسری نیکیاں بھی وجود میں نہیں آسکتیں اور اگر نماز ہدم کردی جائے تو دین و اخلاق کا سارا چمن تاراج ہو کر رہ جائے گا۔ تدبّر قرآن، جلد چہارم، فاران فاؤنڈیشن لاہور، جنوری ۱۹۸۲ء، ص ۴۳۸

۸۔ جامعۃ الفلاح کی دینی و فکری خدمات کے لیے دیکھیے راقم کی کتاب ''مدارس اسلامیہ کی دینی و دعوتی خدمات'' ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ، ۲۰۱۰ء، باب ہفتم، ص ۹۱-۱۰۶

جامعۃ الفلاح کی تاریخ اور اس کے تعلیمی محاسن اور اقدامات کے لیے دیکھئے:

Gulam Nabi Teli, Jamiatul Falah in Its Historical and Education al Perspective, Ph.D Thesis submitted under the supervision of Dr. Obaidullah Fahad, Department of Islamic Studies, Aligarh Muslim University,2003(unpublished)

نیز دیکھیے: ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی کی کتاب ''تاریخ جامعۃ الفلاح''، ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ، نومبر ۲۰۱۲ء

تعلیم سے غفلت کے نتائج

۱۔ بچے ناکارہ اور نکمّے رہ جاتے ہیں، ان کی پیدائشی قوتیں اور صلاحیتیں یا تو ٹھٹھر جاتی ہیں یا غلط رخ اختیار کر لیتی ہیں۔

۲۔ طرح طرح کی برائیوں اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو کر بچے دین دنیا دونوں تباہ کر لیتے ہیں۔

۳۔ آنکھوں کی ٹھنڈک اور بڑھاپے کی لکڑی بننا تو الگ رہا الٹا خار بن کر کھٹکتے اور والدین پر بوجھ بن کر رہتے ہیں۔

۴۔ باپ دادا کی گاڑھی کمائی نہایت بے دردی سے اڑا دیتے ہیں۔

۵۔ خاندان کے چشم و چراغ ہونے کے بجائے اس کا نام ڈبوتے ہیں۔

۶۔ اپنے خراب اسوے سے دین و ملت کو بدنام کرتے ہیں۔

۷۔ جرائم پیشہ ہو کر سب کے لیے دردِ سر بنتے ہیں اور ملک اور معاشرے کو طرح طرح سے نقصان پہنچاتے ہیں۔

۸۔ ملت صالح افراد، بےلوث خادموں اور مملکت اچھے شہریوں سے محروم رہ جاتی ہے۔

۹۔ ان کے لیے حکومتوں کو جیلوں، عدالتوں، تھانوں اور اسپتالوں وغیرہ پر کافی روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔

۱۰۔ ملکی معاش اور اجتماعی اخلاق کے لیے وہ گھن ثابت ہوتے ہیں۔ غرض جنت کے وہ پھول جو خوشبو پھیلانے کے لیے کھلے تھے اور ابتدا میں ہر ایک کی فرحت وانبساط کا سامان تھے، غفلتوں اور کوتاہیوں کے نتیجے میں غلاظت کا ڈھیر بن جاتے اور اپنے ناقابل برداشت تعفن سے سب کا ناک میں دم کر دیتے ہیں اور اس طرح کوتاہی اور لاپروائی کا قدرت ہر ایک سے انتقام لیتی ہے۔

(افضل حسین، ایم اے، ایل ٹی)

مدارس میں داعیانہ تربیت کا غیر تدریسی نظام

توقیر عالم فلاحی

علمبرداران اسلام خیر امت(Best Group of Mankind)، امت وسط (Balanced Group of Mankind) اور شہداء علی الناس(Testifiers on Mankind) ہیں، انھیں بنی نوع انساں کی خیر وفلاح کے کام پر مامور کیا گیا ہے، اور انسانیت کی خیر وفلاح کا اس سے بڑا کوئی کام نہیں ہوسکتا کہ ان کو ان کے خالق سے ملا دیا جائے تا کہ وہ دین و دنیا دونوں کی سعادت سے ہم کنار ہوسکیں، اسلام کے ماننے والے داعی (Inviting) ہیں اور پوری دنیائے انسانیت مدعو (Invitees) ہیں، یہ سارے حقائق واضح طریقے سے ارباب مدارس اور اہل مدارس کے ذہن نشین ہوتے ہیں۔ تدریسی اور غیر تدریسی نظام میں کار دعوت وہ عظیم الشان موضوع ہے جس کو بارآور بنانے میں اہل مدارس کی سرگرمیاں لائق تقلید اور قابل ستائش ہوتی ہیں۔

اللہ رب العزت کا دیا ہوا دین اسلام اہل اسلام کے پاس امانت کی شکل میں ہے۔ اس امانت کا تقاضا یہ ہے کہ اس دین کو بے کم وکاست پوری انسانی برادری تک منتقل کیا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو اہل اسلام بڑی خیانت کے مرتکب ہوں گے اور قیامت کے روز ان کو اللہ رب العزت کے سامنے جواب دہی کرنا پڑے گی۔(۱) دوسرے الفاظ میں اس کی تعبیر یوں کی جاسکتی ہے کہ اللہ کے دیگر بندوں کا سب سے بڑا حق اسلام کے ماننے والوں پر یہ ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی عظیم ترین نعمت سے آشنا ہوں تا کہ اس دین کے سایے میں اس کے فیوض و برکات سے وہ اپنے شب و روز منور کرسکیں اور موت کے بعد کی زندگی میں اپنی عاقبت بناسکیں۔ اگر اس حق سے کوئی شخص انفرادی طور پر

یا کوئی تحریک و جماعت اجتماعی طور کسی بندۂ خدا کو محروم رکھتی ہے تو گویا وہ بڑی حق تلفی کی مرتکب ہے اور قیامت کے روز اس کے نتیجۂ بد سے اُسے دو چار ہونا پڑے گا۔(۲)

مدارس اسلامیہ وہ پاور ہاؤس ہیں جہاں سے بجلی سپلائی ہوتی ہے اور اس سے معاشرۂ انسانی روشن ہوتا ہے۔ یہ مدارس اخلاق واقدار کے وہ ٹھکانے ہیں جہاں سے ملک وقوم بلکہ معاشرۂ انسانی کو وہ قیمتی سبق ملتا ہے جس کے ذریعہ معاشرے سے تکدر اور تعفن ختم ہوتا ہے اور حسن اخلاق کو جلا ملتی ہے۔ یہی مدارس دین اسلام کے وہ قلعے ہیں جہاں سے دین کی حفاظت ہوتی ہے اور دین اسلام کے ایسے جیالے ترجمانوں کی پرورش ہوتی ہے جو اپنی ملت کے ساتھ ساتھ ملک وقوم کے لیے دولت بے بہا ثابت ہوتے ہیں۔

اسلام کی امانت کا احساس بلکہ یقین اہل مدارس کو بڑے پیمانے پر ہونا چاہیے، اخرجت للناس کا اعلامیہ ہمہ وقت ذہن نشین رہنا چاہیے، اپنے کو داعی اور معاشرۂ انسانی کو مدعو ہونے کا احساس ویقین بھی اذہان وقلوب میں مستحضر ومستقر ہونا چاہیے۔ ذمہ داران مدارس اس سلسلے میں جتنے زیادہ حساس اور باشعور ہوں گے، وہ فضلاء مدارس کی شکل میں اتنی ہی زیادہ کارآمد مصنوعات پیدا کرنے میں فائز المرام ہوں گے۔

مدارس کے سلسلے میں اگر اپنوں کو شکوہ ہے کہ یہاں سے ایسے معتبر وموقر علماء ودانشوروں کی وہ ٹیم نہیں نکل رہی ہے جو قوم وملت کے لائق فرزند ہونے کا ثبوت دیں، تو دوسری طرف برادران وطن اور دوسرے اغیار واجانب بھی انگشت نمائی کرنے سے گریزاں نہیں ہوتے کہ مدارس سے فارغین کی جو کھیپ نکل رہی ہے وہ تعصب اور تنگ نظری کے شکار ہوتے ہیں اور دانش ورانہ اوصاف سے عاری ہوتے ہوئے وہ ملک وقوم کے لیے سرمایہ نہیں ثابت ہوتے۔ سچائی تو یہ ہے کہ اگر منتظمین مدارس اور اس مقدس چہار دیواری میں ذہنوں کو شمع علم سے فروزاں کرنے والے اور قلوب کو طہارت وپاکیزگی سے آراستہ کرنے والے اساتذۂ کرام اگر دعوت کے عظیم الشان مشن کو سامنے رکھیں تو بعید نہیں کہ فضلائے مدارس کی شکل میں مدارس کی کوکھ سے وہ لعل وگہر پیدا ہوں گے جو ملت کی نگہبانی کا فریضہ انجام دے سکیں گے اور ملک وقوم کی تعمیر وترقی میں بھی نمایاں کردار ادا کرسکیں گے۔

امت مسلمہ کی زندگی کا راز کار دعوت میں مضمر ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دعوت الی اللہ سے بڑھ کر کوئی اور کام مقام و مرتبہ کا حامل نہیں ہے۔ اس عظیم فریضہ کی انجام دہی میں ہی امت کی شناخت باقی ہے اور تبھی امت خیر امت، امت وسط اور شہداء علی الناس کے ربانی القاب وعنایات سے سرفراز ہے۔ دعوت کے اس مقدس مہم کو کما حقہ سر کرنے کے لیے یا کار دعوت کو اپنوں اور غیروں میں کارگر اور موثر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس سے متعلق غیر تدریسی نظام تربیت کو مستحکم کیا جائے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے ان اقدار و اخلاق کی جلا بخشی کی فکر ہو جن سے آراستہ ہو کر اپنوں میں اصلاح و تزکیہ (Purification) کا کام بخوبی کیا جا سکتا ہو اور غیروں میں اس عملِ خیر کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے تعلق سے موثر عامل قرار دیا جاتا ہو۔

جہاں اخلاص، ایثار، توکل علی اللہ، عدل وانصاف، عفو و درگزر، قناعت اور حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی سے متعلق نظریاتی لحاظ سے داخل نصاب کتابیں طلبہ کے ذہنوں کو صیقل کرتی ہیں، وہیں اساتذہ کرام کی عملی زندگی طلبہ کے لیے مشعل راہ بنتی ہے۔ اساتذہ اگر مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کو اخلاص فاضلہ کا نقیب دیکھنا چاہتے ہیں تو انھیں اپنی زندگیوں کو عملی طور پر قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا۔ اس میں شبہ نہیں کہ آپسی رنجش، رسہ کشی، گروہ بندی اور ایک دوسرے کے خلاف سازشیں اگر عصری علوم کے اداروں میں مثل عفریت کام کر رہی ہیں تو مدارس بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اتحاد کو پارہ پارہ کرنے والی اور اخلاق کو فاسد کرنے والی ان حرکتوں سے ذمہ داران مدارس اور اساتذہ کرام اگر صحیح معنوں میں اظہار برأت کر لیں تو قرآن وسنت کے حامل یہ طلبۂ مدارس اپنے والدین، اساتذہ اور پوری ملت کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنیں گے اور ملک و وطن کے درخشاں مستقبل کی ضمانت بھی۔

آج ضرورت اس بات کی اور بڑھ گئی ہے کہ مخاطب معاشرہ یا طبقۂ مدعوین کو اسلام سے متعلق پیدا ہونے والے شکوک وشبہات اور اعداء اسلام کی مخالفتوں اور ہرزہ سرائیوں کا جواب دل نشیں پیرایہ بیان میں انہی کی زبان میں دیا جائے۔ بلکہ اس فکری اور علمی جنگ میں عزم واستقلال اور ثبات قدمی و بلند حوصلگی کے ساتھ محاذ آرائی کی جائے، اس لیے کہ اللہ واحد سے اپنی وابستگی کے اظہار کے ساتھ ہی ساتھ استقامت کا رویہ فرشتوں کے نزول کی شکل میں نصرت خداوندی کو دعوت

دیتا ہے۔(۳)اس سلسلے میں اس رویہ پر نظر ثانی بھی کی جانی چاہیے جو اہل اسلام مخالفین اسلام کے تئیں برتتے آئے ہیں کہ اسلام، قرآن رسالت محمدی یا اسلامی تاریخ کے کسی باب کے تئیں کوئی شوشہ چھوڑ دیا گیا اور پھر خادمین اسلام اپنے ہاتھ میں قلم وقرطاس لے کر یا زبان وبیان کے ذریعہ اس کی صفائی پیش کرنے میں لگ گئے اور پھر اپنے آپ کو تسلی وتسکین بھی دے دی کہ فریضہ حق کو ادا کر دیا گیا۔ حالاں کہ ہونا یہ چاہیے کہ ناگہانی صورتِ حال سے قطع نظر موافق حالات میں بھی حکمت ودانائی کے ساتھ قرآن، سیرت نبوی اور تاریخ اسلام کے مختلف موضوعات پر سیر حاصل گفتگو عوام الناس یا مدعو معاشرہ کے نذر کی جاتی رہے۔

بنیادی مصادر (Original Sources) کی مدد سے اسلام کی صحیح شبیہ پیش کرنے کا فریضہ کل وقتی (Full time) طور پر انجام دیا جائے اور دوسری طرف تقابلی مطالعہ ادیان ومذاہب کے مروج ماحول اور خوشگوار فضا کا سہارا لیتے ہوئے دوسری تہذیبوں اور ثقافتوں کے کڑوے اور کسیلے پن کو بھی طشت ازبام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جائے۔ ہاں مدعو معاشرہ کی نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا اور تحریر وتقریر میں تشدد وجارحیت (Violence) سے ہر ممکن گریز کرنا پڑے گا، اس لیے بھی کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو نہ ہی جبر واکراہ کی تعلیم دیتا ہے اور نہ ہی تشدد اور جارحیت کا سبق سکھاتا ہے بلکہ امن وآشتی اس کے نام سے عیاں ہے اور تحمل وبردباری اور عفو ودرگزر کا بڑا علمبردار ہے۔

حق گوئی وصداقت اور باطل سے سمجھوتہ نہ کرنے کی پالیسی اسلام کے تصور تحمل وبردباری اور موقف عفو ودرگزر سے کسی حد تک بھی متضاد نہیں ہے۔ حقائق کو پیش کرنا راست روی ہے۔ اور یہی عالمانہ اور دانش مندانہ جوہر ہے۔ اس لیے داعیان اسلام کو ایک طرف حکمت ودانش، وسعت فکر ونظر، عمیق مطالعہ اور حقائق کی یافت کی سعئ بلیغ جیسے اوصاف کا متحمل ہونا پڑے گا تو دوسری طرف اظہارِ حق کے لیے جذبۂ صادق، اور دوٹوک انداز میں بات کہنے کی جرأت مندی کا ثبوت بھی دینا ہوگا، جبھی داعیان اسلام اپنے فریضۂ حق سے سبک دوش ہوسکتے ہیں، اور جبھی انسانی برادری کو وہ خزینۂ بے بہا ہاتھ آسکتا ہے جو انھیں دنیا میں باعزت زندگی گزارنے کا قرینہ بتاتا ہے اور موت کے بعد کی زندگی کی سعادت مندیوں کے لیے نقوش راہ ثابت ہوتا ہے۔

اس مبارک جدو جہد اور محمود اقدام وعمل (Admirable Initiative) کے لیے مدرسوں کا ماحول انتہائی سازگار رہوتا ہے۔ عالمیت وفضیلت کے سات آٹھ سالوں میں اگر مشن کے تقدس کا احساس کچو کے لگا تا رہے اور انسانیت کی فلاح ونجات طلبۂ مدارس کی تربیتی سرگرمیوں کا مرکز ومحور بن جائے تو پھر ان کے متاع گراں مایہ ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ ایک طرف دعوت حق کی متاع بے بہا سے روحانی سرور حاصل کرنے کے لیے اور دوسری طرف شیریں انداز میں عامۃ الناس تک اس امانت کو منتقل کرنے کے لیے اخلاص ودل سوزی کے زیور سے آراستہ اور اخلاق فاضلہ کے ترجمان اساتذہ کرام کی زندگیوں سے جو طلبۂ مدارس جتنا ہی زیادہ خوشہ چیں ہوں گے اتنا ہی زیادہ فریضۂ دعوت کو بار آور بنا سکیں گے۔ اس لیے اساتذہ کرام کی حاشیہ نشینی اور ان کی رفاقت صالحہ کو طالب علمی کی زندگی کا گوہر مقصود قرار دیا جائے۔

اساتذہ کرام کی قربت اور حاشیہ نشینی ہی پر قناعت داعی کے لیے سرمایہ کل نہیں ہوتا اور نہ ہی صرف درسی کتابیں فریضۂ حق کی انجام دہی میں حتمی اور قطعی رول ادا کرتی ہیں۔ درسی کتابوں کی مدد سے ایک مخصوص انداز میں آیات وسور کی تفسیر تو کی جاسکتی ہے، مخصوص اوامر وفضائل کے باب میں برجستہ حدیثوں کا حوالہ تو دیا جاسکتا ہے اور اسی طرح فقہ اسلامی کے مخصوص احکام ومسائل پر بھی تکلم کیا جاسکتا ہے، لیکن حالات وزمانہ کی تیز رفتاری اور احوال وکوائف کی بدلتی ہوئی صورت حال میں جہاں تک اسلام کو تمام امور ومعاملات میں مشکل کشا (Trouble-shooter) مذہب یا کافی وشافی طریقۂ زندگی کی حیثیت سے پیش کرنے کی بات ہے، مدارس کا لگا بندھا طریقۂ درس یا قدیم نظام تدریس اس سلسلے میں نہ صرف یہ کہ قاصر وکوتاہ ثابت ہوتا ہے، بلکہ اعداء اسلام کی طرف سے اسلام کی طرف منسوب کیے جانے والے جمود وتعطل جیسے خلاف شان الفاظ کے تئیں ماحول ہموار کرتا ہے۔ چنانچہ جتنی ضرورت اس بات کی ہے کہ بنیادی مصادر کو حرزِ جاں بنایا جائے، عربی زبان میں حذق ومہارت حاصل کی جائے اور تفسیر، حدیث اور فقہ میں گیرائی وگہرائی پیدا کی جائے، اتنی ہی ضرورت اس بات کی ہے کہ صالح اور ذہن کشا غیر تدریسی کتب کا مطالعہ اپنے اوپر لازم کرلیا جائے۔ اس ضمن میں ان اساطین اسلام کی تحریروں کا انتخاب ہو جنھوں نے اپنی زندگی کی آخری سانس تک اپنی تحریروں سے باطل کا مقابلہ کیا، افکار فاسدہ کی بیخ کنی کی اور اسلام کی حقانیت سے عامۃ الناس کے اذہان

وقلوب کو روشن کیا۔ اسلام کے پیغام حق کو عام کرنے کے لیے اور تمام خود ساختہ اور خانہ ساز افکار ونظریات (self-made Ideologies) سے اسے ممتاز کر کے پیش کرنے کے لیے ناگزیر ضرورت ہے کہ حق کے علمبرداران نابغہ روزگار شخصیتوں کے افکار ونظریات سے اپنے ذہنوں کو بالیدہ اور کشادہ کیا جائے اور ان کے روشن افکار ونظریات کو دعوت حق کی پرخوار راہوں کا قیمتی توشہ بنایا جائے۔

مدارس دینیہ کی مخصوص چہار دیواری کی فضا اس پہلو سے بھی خوشگوار اور موثر ہے کہ تحریر وتقریر کے ذریعہ فارغین مدارس کی شخصیتوں کو آراستہ کیا جائے۔ آج پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو محاذ آرائی ہورہی ہے وہ اصلاً فکری اور قلمی محاذ آرائی ہے۔ قرآن، سیرت نبوی اور روشن تاریخ اسلام کے صفحات پر گردوغبار ڈالنے کی جدوجہد میں اغیار مصروف ہیں۔ دعوت حق کو مثبت اور موثر انداز میں پیش کرنے کی غرض سے بھی اور غیروں کی مذموم کوششوں اور منظّم سازشوں کا زور واثر کم کرنے کی خاطر بھی ضرورت اس بات کی متقاضی ہے کہ تحریر وتقریر کی مشق وتمرین کو غیر تدریسی نظام کا جزو لاینفک (Indispensable Part) بنالیا جائے۔ اس ضمن میں کم از کم ہفتہ وار اس قسم کے پروگرام کو جامہ عمل پہنایا جائے۔ اس نوعیت کے غیر تدریسی نظام تربیت کو موثر اور مستحکم بنانے کے لیے طلبہ کی جمعیت یا تنظیم ہی بطریق احسن سرگرم عمل رہ سکتی ہے۔ ہاں طلبہ کی اس قسم کی سرگرمیوں کی نگرانی کے لیے موزوں اور مناسب اساتذہ بھی متعین کیے جانے چاہئیں۔ ذمہ داران مدارس صرف اس بات پر قانع نہ ہوجائیں کہ طلبہ کا ہفتہ وار تقریری وتحریری پروگرام پابندی سے منعقد ہورہا ہے، بلکہ مزید اس بات کے لیے انھیں فکر مند ہونا چاہیے کہ یہ پروگرام بامعنی اور بامقصد ہو، اس کے لیے نگراں اساتذہ متعین کرنے کے ساتھ ساتھ ماہانہ یا سہ ماہی مقابلوں کے انعقاد کے لیے ایک فنڈ بھی مختص کیا جانا چاہیے، تاکہ لائق طلبہ کو انعامات سے سرفراز کیا جائے اور تشجیعی انعامات بھی دیے جائیں۔ تقریر وتحریر کے اس نظام تربیت سے یقینی طور پر طلبہ میں حوصلہ پیدا ہوگا اور وہ اپنے آپ کو عملی میدان میں فعال کارکن ثابت کرنے کے لیے ایسے پروگراموں میں پیش قدمی کا مظاہرہ کرسکیں گے اور جذبۂ مسابقت کے ساتھ اس میں اپنے آپ کو اچھا تر بنانے کی کوشش کریں گے۔

ایمان واستقامت کے جذبۂ صادق سے معمور ہوکر ہمارے نوجوان اور طلبہ بالخصوص مدارس دینیہ میں زیر تعلیم فرزندان ملت اگر فکری جنگ (Conceptual War) کی کمان اپنے ہاتھوں

میں لے لیں تو صحیح معنوں میں اسلام کو زیر کرنے اور شمع حق کو گُل کرنے کی منظّم اور عالمی کوششیں منھ کے پھونک ثابت ہوں گے، اعداء اسلام کو مایوسی وقنوطیت کا شکار ہونا ہوگا اور اپنے وجود وبقا کے لیے انھیں فکر مند ہونا پڑے گا۔ لائق اساتذۂ کرام کے اخلاق عالیہ کی خوشہ چینی کے ساتھ ساتھ تحریر وتقریر کی مشق کے ذریعہ وہ صحیح معنوں میں اسلام کے سپاہی بن سکتے ہیں اور معاشرۂ انسانی کی ظلمتوں کو ختم کر کے سپیدۂ سحر کی بشارت بن سکتے ہیں۔

مدارس کی رہائشی مدت میں ہی ان طلبہ کو تیار کیا جائے کہ وہ عملی میدان کے نشیب وفراز سے اور مخاطب یا مدعو معاشرہ کی طرف سے حائل دشواریوں سے شد بد بھی اسی چہار دیواری میں رہتے ہوئے حاصل کر لیں۔ اس ضمن میں ایک طرف طلبہ کو اردو، عربی اور انگریزی کے چھوٹے چھوٹے مضامین اور آرٹیکل لکھوائے جائیں اور ان کی اصلاح ودرستگی کے بعد ان کے نام سے ان کو روزناموں یا ہفتہ وار اور ماہ وار جریدوں میں شائع کرایا جائے۔ مدارس کے دوران قیام وہ اگر اپنی تربیت کا مظہر اس شکل میں دیکھیں گے تو ان کا حوصلہ بلند ہوگا اور دعوت دین کی ضرورت سے پرے ان طلبہ کو ان کا اشتیاق مہمیز کرے گا کہ قلم وقرطاس سے وہ مانوس ہوں۔ دوسری طرف مضافات میں منعقد ہونے والے دینی پروگراموں میں مقرر کی حیثیت سے ان کی شرکت اور جمعہ کے روز مساجد میں خطیب کی حیثیت سے ان کی مشق کو یقینی بنایا جائے۔ اگر یہ سلسلہ آخری دوتین سالوں تک جاری رہا تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مدارس دینیہ میں قوم کی امانت کی شکل میں یہ بچے نہ صرف یہ کہ اپنی قوم وملت کے لیے بلکہ معاشرہ اور ملک کے لیے بڑا سرمایہ بنیں گے۔ ہاں تحریر وتقریر سے متعلق مشق کا یہ سلسلہ خشک روایت نہ بن کر رہ جائے، اس کے لیے ذمہ داران مدارس کو وہ اقدامات کرنے ہوں گے جن کی بدولت ان کی تحریری وتقریری تربیت کا یہ نظام بامعنی، موثر اور نفع بخش بن جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ آج ایک بڑے سے بڑا عالم اگر معاشرہ انسانی یا طبقۂ مدعوین کی زبان سے ناواقف ہے تو اپنی ساری صلاحیتوں کے باوجود وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوتا ہے اور اپنے مخاطب یا مدعو کے لیے وہ کما حقہ مفید نہیں بن سکتا۔ اسی طرح اگر عصری علوم وفنون سے تھوڑی سی آگہی رکھنے والا شخص بھی مخاطب یا مدعو کی زبان جانتا ہے تو وہ اپنے آپ کو طویل القامت (High-statured) سمجھتا ہے اور مخاطب گروہ بھی اس کی عظمت واحترام کی قائل ومداح بن جاتی ہے۔ ناظرین اور سامعین کو متاثر کرنے سے زیادہ داعیانہ ضرورت اس بات کی محرک بنی چاہیے کہ

اردو اور ہندی کے علاوہ اپنے آپ کو دنیا کے بازار میں رائج زبانوں بالخصوص انگریزی اور عربی میں اتنی مہارت پیدا کرنی چاہیے کہ کہیں پر پستہ قد (Short-statured) ہونے کا نہ خود کو احساس ہو اور نہ ہی دوسرے لوگ بے وزن قرار دے دیں۔ اگر مدارس کی چہار دیواری میں اس راز سر بستہ کو پالیا گیا اور اس کے مطابق تیاری کر لی گئی تو داعئ حق قیمتی اثاثہ بن کر میدان عمل میں آئے گا، محفلوں اور مجلسوں کی اُسے زینت بھی بنایا جائے گا، اجتماعات اور جلسوں میں اس کا پروقار وجود بھی تسلیم کیا جائے گا، پرنٹ میڈیا اور الکٹرانک میڈیا میں بھی مختلف موضوعات پر اظہار خیال کے لیے مدعو کیا جائے گا اور صحت مند فکر کے ساتھ جرأت مندانہ اپنے موقف کو پیش کرنے کے مواقع بھی اسے دستیاب ہوں گے۔

مدارس میں بنیادی مآخذ و مصادر عربی زبان میں ہیں۔ ایک فارغ التحصیل کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ عالمیت وفضیلت کے سات آٹھ سالوں میں براہ راست عربی زبان سے جڑ کر اس کے اندر اتنی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ گفتگو سمجھ سکے اور مافی الضمیر کی ادائیگی میں بھی قاصر و کوتاہ ثابت نہ ہو۔ مسئلہ انگریزی زبان کا ہے جو عالمی زبانوں میں سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس زبان کو سکہ رائج الوقت کی حیثیت حاصل ہے اور اس کے ذریعہ اپنی آواز کو موثر بنایا جا سکتا ہے۔ اغیار و اجانب میں دعوت کو پُرکشش بھی بنایا جا سکتا ہے اور معاشی مسائل کی بھی عقدہ کشائی ہو سکتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کم و بیش ہر مدرسے میں انگریزی زبان کو شامل نصاب کیا گیا ہے۔ بالخصوص دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح اور جامعۃ الفلاح جیسے عظیم اداروں میں اس کا قابل ذکر حد تک اہتمام ہے، تاہم اس سلسلے میں نصابی تعلیم داعیانہ ضرورت کی تیاری و تکمیل کی ضمانت نہیں بنتی۔ جمعیۃ الطلبہ کا ہفت روزہ یا پندرہ روزہ پروگرام انگریزی زبان کی مشق کے لیے منعقد کیا جائے اور دعوت و تبلیغ سے متعلق مختلف موضوعات پر طلبہ کو اظہار خیال کرنے کا پابند بنایا جائے، بلکہ دین و دنیا دونوں کی سعادت کے حصول کے ذریعہ کے طور پر اس زبان پر قدرت حاصل کرنے کے لیے شوق و رغبت دلائی جائے۔ اس کے علاوہ نماز مغرب سے فراغت کے بعد یا عشائیہ تناول فرمانے کے بعد چہل قدمی کے دوران لازم کر لیا جائے کہ ہم جماعت طلبہ کوئی موضوع طے کر لیں اور انگریزی میں ہی اس پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ جب تک مشق نہیں ہوگی اور ماحول نہیں بنے گا اس وقت تک دعوت حق کی راہ میں اس گراں قدر اثاثے کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام کا ہر علم بردار داعی ہے اور حسب استطاعت اس فریضے کی انجام دہی میں سرگرم عمل رہنے میں ہی یہ شناخت باقی رہ سکتی ہے۔ مدارس میں زیر تعلیم طلبہ و طالبات پر یہ ذمہ داری بڑے پیمانے پر عائد ہوتی ہے۔ یقیناً اس مقدس چہار دیواری کے پروردہ طلبہ ملک وملت کا بڑا قیمتی اثاثہ ہیں۔ بنیادی مصادر شریعت سے واقف ہوکر اور اخلاق عالیہ کے زیور سے آراستہ ہوکر وہ خود اپنے لیے، اپنے والدین کے لیے، اپنی ملت کے لیے بلکہ ملک وقوم کے لیے وہ اس مبارک فریضے کی انجام دہی کی وجہ سے بڑا قیمتی اثاثہ بن جاتے ہیں۔ یہ دعوت اللہ رب العزت کی طرف سے عظیم الشان امانت ہے اور اس کی بحسن خوبی انجام دہی میں اعلیٰ کردار کے حامل اساتذہ کی خوشہ چینی، انسانیت کی قیادت کا احساس، حالات کی سنگینی سے واقفیت اور اسلام کی شبیہ کو پوری انسانی برادری کے لیے سرمایہ عظیم کی حیثیت سے پیش کرنے کا جذبہ اور عملی اقدام، اسلام کو پیش کرنے کے لیے مدافعانہ ذہنیت سے گریز کرتے ہوئے اقدامی طریقۂ کار کو اپنانا اور اسلام کے رخ زیبا کو انسانیت کے سامنے وا کرنا، یہ فارغین مدارس کی عظیم الشان ذمہ داری ہے۔ اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے جہاں مصادر شریعت سے واقفیت ضروری ہے وہیں اس ذمہ داری کی انجام دہی میں حسن واتقان (Competence) پیدا کرنے کے لیے مخلص اور مربی اساتذہ کرام کے اخلاق عالیہ کی خوشہ چینی، صالح اور فکر انگیز ذخائر کتب سے استفادہ، تحریر وتقریر کی مشق اور انگریزی زبان پر عبور وہ اسباب ومحرکات ہیں جو داعئ حق کو معتبر اور موقر بنا دیتے ہیں اور جن کی بنا پر دعوت حق کی پرخار راہوں کا سر کرنا آسان تر ہو جاتا ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ النساء:۵۸
۲۔ الجامع الصحیح لمسلم، ج ۱، کتاب البر، ص ۱۲۵-۱۲۶
۳۔ حم السجدة:۳۰

گھر اور مدرسہ کا تعاون

تعلیم وتربیت کے لیے گھر اور مدرسہ کا باہمی تعاون بے حد ضروری ہے۔

۱۔ پابندی سے ہوم ورک پورا کرنے اور آموختہ دیکھنے کی نگرانی کریں۔ نصاب کے ساتھ ساتھ غیر نصابی پروگراموں میں بھی بچوں کی شرکت کو پوری اہمیت دیں۔

۲۔ سرپرستوں کو چاہیے کہ اساتذہ سے برابر ربط رکھیں اور کبھی کبھی ملتے رہیں۔

۳۔ بچوں کے متعلق اساتذہ جو مشورہ دیں ان پر عمل کریں۔

۴۔ بچوں کے سامنے مدرسہ یا اساتذہ کی برائی ہرگز نہ کریں۔

۵۔ پابندی سے بچوں کو مدرسہ بھیجیں۔ تقاریب میں شرکت پر مدرسہ کی حاضری کو ترجیح دیں۔

۶۔ کتابیں کاپیاں اور دیگر ضروری سامان بروقت فراہم کر دیا کریں۔

۷۔ فرصت کے اوقات کی ضروریات اور بچوں کی صحبت پر نظر رکھیں۔

۸۔ مدرسہ کے قواعد وضوابط کی پوری پابندی کریں اور اس کی ترقیاتی اسکیموں میں مدد دیں۔

(افضل حسین، ایم اے، ایل ٹی)

تعلیم وتربیت کے چند اصول

(سیرتِ پاکؐ کے حوالے سے)

ذکی الرحمٰن غازی مدنی

موجودہ ترقی پزیر دنیا میں سماجی تعلقات (Social Relations) اور انسانی برتاؤ (Human Behavier) کے مطالعے کو مستقل علوم کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ مغرب کی شہرت یافتہ عالمی کمپنیاں ان علوم (Social Science or Humanology) کے بحث ومطالعہ کے لیے اپنے مادی وسائل کی بڑی تعداد وقف کررہی ہیں۔ انسانی تعلقات اور انسانی برتاؤ کا علم (Study of Human Relations & Behaviers) اپنے آپ میں بے حد متنوع اور مختلف جہات پر مشتمل ہوتا ہے۔ غلطیوں کی اصلاح کا فن، دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے کا فن، دلوں کے جیتنے کا فن، مخاطب کو مطمئن کرنے کا فن، عوام کی رہ نمائی کا فن وغیرہ موضوعات اسی علم کے تحت زیرِ بحث لائے جاتے ہیں۔ اس کی تعلیم کی خاطر مستقل علمی مراکز اور یونی ورسٹی ڈپارٹمینٹس کا قیام عمل میں لایا جارہا ہے، اور متعلقہ موضوعات پر تحقیقی مقالوں اور کتابوں کی پوری لائبریری تیار کی جاچکی ہے۔ دنیا بھر میں بڑی بڑی نامی کمپنیاں اس علم کو اپنے مادی فائدوں اور تجارتی منافع کی خاطر اپنے کاروبار کا جزوِ لاینفک بنائے ہوئے ہیں۔ ان حالات کی روشنی میں اسلامی تعلیم وتربیت کے علم برداروں کے لیے بھی کسی حد تک ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ اس فن کو اپنے مطالعے وتحقیق کا موضوع بنائیں، بلکہ وابستگانِ تحریک ودعوتِ اسلامی اس فن پر عبور حاصل کرنے کے زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ جملہ تربیتی وتحریکی سرگرمیوں کی اساس یہی تو ہے کہ تمام بنی نوعِ انسانی کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لے آیا جائے اور انسانوں میں پائے جانے والے تمام انحرافوں اور ضلالتوں کا خاتمہ کردیا جائے۔ اس مضمون

میں اس فن کے چند بنیادی اصولوں کی تشریح وتوضیح کی گئی ہے جن کے بارے میں قوی خیال ہوتا ہے کہ یہ اصول ایک طرح سے اسلامی تعلیم وتربیت کی عملی سرگرمیوں میں بے حد ممد ومعاون ہو سکتے ہیں، نیز کوشش کی گئی ہے کہ ان اصولوں کو حتی المقدور شرعی دلائل سے بھی مزین کر دیا جائے۔

پہلا اصول: ملامت وتوبیخ سے اکثر حالات میں مثبت نتائج برآمد نہیں ہوتے

تعلیم وتربیت سے وابستہ لوگوں کو ہمہ آن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دائمی زجر وملامت کے رویے سے کوئی بارآور نتیجہ برآمد نہیں ہوا کرتا۔لہٰذا ملامت طرازی سے حتی الامکان اجتناب کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ انہیں کامل دس سال تک اللہ کے رسول کی خدمت کرنے کا موقع ملا،اور اس پورے عرصے میں اللہ کے رسول نے انہیں کبھی ڈانٹا پھٹکارا نہیں۔ کبھی کبھار آپؐ کے اہل خانہ نے اس سلسلے میں شکایت بھی کی تو فرمایا کہ چھوڑو، جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔'' دوسری روایت میں حضرت انسؓ کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے دس سال تک آپؐ کی خدمت کی اور اس پوری مدت میں اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے کبھی سرزنش نہیں کی، خواہ میں نے کام آپؐ کی منشا کے مطابق کیا یا منشائے مبارک کے خلاف کیا''۔عن انسؓ یقول: انّه خدم رسول اللهﷺعشر سنوات مالامه علیٰ شیءٍ قطّ،واذا حدثه فی ذالک بعض اهله قال:دعوه فلو کان شیء مضیٰ لکان'' وفی روایةٍأخریٰ:خدمت رسول اللهﷺعشر سنین فما وریت شیئاً قطّ وافقه،ولا شیئاً خالفه (شمائل الترمذیؒ:۲۷۳)

ہمہ وقتی توبیخ وملامت کا طرزِ عمل ایسا زہریلا تیر ہوتا ہے جو ترکش سے بآسانی نکل تو جاتا ہے،لیکن بادِ مخالف کے ہلکے سے جھونکے کے زور پر خود اپنے چلانے والے کی طرف پلٹ بھی آتا ہے۔تعلیمی اداروں میں اساتذہ کی بالعموم دو ذہنیتیں ہوتی ہیں۔ایک ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ اگر مبتدی کوئی اچھا کام کرے تو اس کو خوب شاباشی دی جائے تاکہ آئندہ مزید بہتر پرفارمنس کے لیے اس کے اندر حوصلہ اور ہمت پیدا ہو۔دوسری طفلانہ اور ضد پسندانہ ذہنیت یہ ہوتی ہے کہ اگر مبتدی کچھ اچھا کر دے تو اس پر تحسین وآفریں کے بجائے زیادہ سے زیادہ اس کی کوتاہیاں اور کمیاں اجاگر کی جائیں تاکہ وہ اپنی حسنِ کارکردگی پر مطمئن ہو کر بیٹھ نہ رہے، بلکہ آئندہ مزید خوب سے خوب تر کو اپنا منتہائے نظر بنائے

رکھے۔ان دونوں طرح کے طرزِ عمل میں مقصود طالب علم کی اصلاح اور خیر خواہی ہوتی ہے، مگر تجربہ اور مشاہدہ گواہی دیتا ہے کہ اصلاح وتربیت میں پہلا طرزِ عمل زیادہ مفید اور کارگر ثابت ہوتا ہے، نہ کہ دوسرا۔ ہر وقت زجر وتوبیخ یا ڈانٹ پھٹکار کا غیر دانش مندانہ رویہ طالب علم کی عزتِ نفس اور احساسِ خودی کو مجروح کر دیتا ہے۔اس طرزِ عمل کی برائی کے لیے یہی کیا کم ہے کہ دنیا کے طول وعرض میں کوئی ایک متنفس بھی اس طرح کے معاملے کو اپنے لیے پسند نہیں کرتا۔اس قابلِ اصلاح طرزِ عمل ہی کی بدولت دنیائے انسانیت نہ جانے کتنی عبقری شخصیات سے محروم رہ جاتی ہے، جس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ بہت سارے ایسے بچے جو مستقبل میں نابغۂ روزگار ہستیاں بن سکتے تھے، انہیں صغرِ سنی میں بدقسمتی سے ایسے مربیوں سے واسطہ پڑ جاتا ہے جو ہر آن لعنت وملامت اور زجر وتوبیخ کے بے رحم گُرز سے بچپن ہی میں ان کی خودی اور عزتِ نفس کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں، جس کے بعد وہ کبھی احساسِ کہتری سے عہدہ برآ نہیں ہونے پاتے۔اسی لیے حضرت معاذؓ بن جبل فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر تمہارا کوئی دینی بھائی ہو تو بات بات پر اس سے بحث وجدال نہ کیا کرو۔''اذا کان لک أخ فی اللہ فلا تمارہ فی کل شیءٍ(بهجة المجالس، ابن عبدالبرؒ:۲/۴۳۲)

دوسرا اصول: راہِ تربیت کی پہلی منزل یہ ہے کہ سائل کی غلط فہمی دور کی جائے

بسا اوقات غلطی کرنے والے کو اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوتا، ایسی صورت میں یہ ہرگز مناسب نہیں کہ ہم براہ راست اس پر تنقید وملامت کے تیشے چلانا شروع کر دیں۔ایسی صورت میں بہتر بات یہ ہے کہ پہلے اس پر اس کی غلطی واضح کی جائے تاکہ خود اس کے اندرون میں معرفتِ حق کا داعیہ بیدار ہو جائے۔اور ایسا اسی وقت ممکن ہے جب کہ مخاطب کی آنکھوں سے غلط فہمی کی پٹی ہٹا دی جائے۔حدیث میں آتا ہے کہ ایک نوجوان آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کمال جرأت وصراحت سے اس نے آپؐ سے زنا کا ارتکاب کرنے کی اجازت مانگی۔بعض صحابہ کرامؓ نے اس کی اس بے ادبی پر سخت طیش میں آ کر اسے مارنے کا ارادہ کر لیا، لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا۔پھر ہوا یہ کہ آپؐ نے اس نوجوان کو اپنے قریب بلایا اور کہا کہ کیا تم یہ برائی (یعنی زنا کا وجود) اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔اس پر آپؐ نے تفہیمی انداز میں فرمایا کہ دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے اس برائی کو پسند نہیں کرتے۔پھر مزید سوال کیا کہ کیا تم یہ برائی اپنی بہن کے

لیے پسند کرتے ہو؟ نوجوان نے پھر نفی میں جواب دیا تو آپؐ نے فرمایا کہ دوسرے لوگ بھی اس برائی کو اپنی بہنوں کے لیے ناپسند کرتے ہیں۔'' [جاء شابّ یستأذن النبیّ ﷺ فی الزنا، فهمّ الصحابةؓ أن یوقعوا به، فنهاهم وأدناه وقال له: أترضاه لأمک؟ قال: لا، قال رسول الله ﷺ فان الناس لا یرضونه لأمهاتهم، قال: أترضاه لأختک؟ قال: لا، قال: فانّ الناس لا یرضونه لأخواتهم] (مسند أحمدؒ: ۵/ ۲۵۶)

اللہ کے رسول ﷺ کی اس حکیمانہ تفہیم اور ربانی تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ روایات کے مطابق، اس نوجوان کو اس واقعہ کے بعد جس برائی سے سب سے زیادہ نفرت ہوگئی تھی وہ زنا کی برائی تھی۔ طالب علم یا سائل کو اندھا دھند عتاب وتانیب کا ہدف بنانے کے بجائے پہلے اس کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی ایک دوسری مثال حضرت معاویہؓ بن حکم کے واقعہ میں بھی ملتی ہے۔ حضرت معاویہؓ بن حکم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ (باجماعت) نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک کسی کو چھینک آ گئی، جس کے جواب میں میں نے ''یرحمک اللہ'' یعنی اللہ تم پر رحم فرمائے'' بول دیا۔ جماعت میں موجود لوگ مجھے ترچھی نظروں سے گھورنے لگے، اس پر میں نے بہ آوازِ بلند کہہ دیا کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو مجھے اس طرح گھور رہے ہو''۔ اب لوگ (مجھے چپ کرانے کے لیے) ہاتھوں کو پنڈلیوں پر مارنے لگے۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ لوگ مجھے چپ کرانا چاہتے ہیں تو میں بھی خاموش ہو گیا۔ بعد میں اللہ کے رسول ﷺ نماز سے فارغ ہوئے - اور میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں کہ میں نے آپ ﷺ سے بہتر تعلیم دینے والا معلم نہیں دیکھا - تو بہ خدا آپ ﷺ نے نہ مجھے ڈانٹا نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا، بلکہ صرف اتنا فرمایا کہ یہ نماز ایسی عبادت ہے کہ اس میں لوگوں کی عام باتوں میں سے کچھ بھی بولنا درست نہیں ہوتا۔ یہ ان سب چیزوں کے بجائے اللہ کی تسبیح کرنے، اس کی کبریائی بیان کرنے اور قرآن کی تلاوت کرنے سے انجام پاتی ہے۔''

[بینما أنا أصلّی مع رسول الله ﷺ اذ عطس رجل فی القوم فقلت: یرحمک الله، فرمانی القوم بأبصارهم فقلت: ما شأنکم تنظرون الیّ، فجعلوا یضربون بأیدیهم علیٰ أفخاذهم، فلمّا رأیتهم یصمتوننی سکتّ، فلمّا صلّیٰ رسول الله ﷺ -فبأبی هو وأمّی- ما

رأیت معلّماً قبله ولا بعده أحسن تعلیماً منه–فوالله ما نهرنی ولا ضربنی ولا شتمنی ،قال: انّ هذه الصلاة لا یصلح فیها شیء من کلام الناس،انّما هی التسبیح والتکبیر وقراءة القرآن](صحیح مسلمؒ: ۱/ ۳۸۱)

تیسرا اصول: غلطی کی اصلاح کے لیے نرم الفاظ میں تفہیم کی جائے

اگر ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ گفتگو میں جادو کی سی تاثیر ہوا کرتی ہے تو ہمارے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ اچھی باتوں کی اس جائز سحر آفرینی کو طلبہ کی اصلاح وتربیت کے لیے استعمال میں لائیں۔مثال کے طور پر غلط کار کی اصلاح وسرزنش کے دو اسلوب ہوسکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ گفتگو اس انداز کی جائے کہ اگر آپ ایسا کرلیتے تو زیادہ بہتر ہوتا،آپ کی کیا رائے ہے اگر ہم اس نقشے پر عمل کریں؟ میری تجویز تو یہ ہے کہ آپ نہ کریں....،میرا ایک اور نقطۂ نظر ہے اگر مضائقہ نہ ہوتو اسے بھی کرسن کر یا برت کر دیکھ لیا جائے ،وغیرہ وغیرہ۔اس مہذب اور حکیمانہ طرزِ گفتگو کے بالمقابل ایک اور اسلوب بھی ہوتا ہے۔وہ یہ کہ اپنی اصلاحی گفتگو میں اس قسم کی عبارتیں استعمال کی جائیں کہ جناب! تہذیب وادب سے آپ کو کوئی واسطہ ہے کہ نہیں؟ کیا تمہارے اندر عقل اور شائستگی بالکل نہیں پائی جاتی؟ تمہیں سمجھ نہیں آتا؟ سنائی دے رہا ہے یا نہیں؟ کچھ بھیجا کھوپڑی میں ہے بھی؟ کیا بالکل پاگل ہو؟ کتنی بار تمہیں بتایا جا چکا ہے،وغیرہ وغیرہ۔

بے شک تخاطب کے ان دونوں طریقوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے اور عقلِ سلیم کا حامل ہر شخص ان دونوں اسلوبوں کی جداگانہ اثر آفرینی کا اقرار کرے گا۔ بلکہ اگر ہم خود اپنے آپ سے سوال کریں کہ دونوں طریقوں میں سے کس طریقے کو ہم اپنے ساتھ برتے جانے کے لیے ترجیح دیں گے تو بلا کسی تذبذب اور تاخیر کے ہم پہلا اسلوب اختیار کرلیں گے۔بس ضرورت یہی ہے کہ اس اسلوب کو اسلامی تعلیم وتربیت میں بھی اور دیگر اسلامی سرگرمیوں اور تعلقات وروابط میں بھی استعمال کیا جائے۔ داعیٔ اعظم حضرت محمد ﷺ کا اسوۂ حسنہ بھی اسی تعامل کی شہادت دیتا ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے جمعہ کے دن غسل نہ کرکے آنے والوں سے ارشاد فرمایا تھا کہ ’’کیا ہی بہتر ہوتا اگر تم خاص اس دن کے لیے غسل کرلیا کرتے۔‘‘[لو أنکم تطهرتم لیومکم هذا](صحیح مسلمؒ:۵۸۱/۲) ایک دوسری

حدیث میں آپ ﷺ نے ام المومنین حضرت میمونہؓ سے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر تم یہ صدقہ اپنے ننیہالی رشتہ داروں کو دے دیتیں تو تمہارے لیے زیادہ اجر کا باعث ہوتا۔'' [لو أعطیتها أخوالک کان أعظم لأجرک](صحیح مسلمؒ:۲/۶۹۴)ان خوب صورت الفاظ کی اثر آفرینی کا اصل راز یہ ہے کہ انہیں سن کر مخاطب کو احساس ہوتا ہے کہ بولنے والا اس کے نقطۂ نظر کا بھی احترام کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ کہنے والے کی سچائی اور انصاف پسندی کا لاشعوری طور پر قائل ہو جاتا ہے اور پھر اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اس کی اصلاح پر آمادہ ہو جانا اس کے لیے آسان ہوتا ہے۔

چوتھا اصول: اصلاح وتربیت کے عمل میں بلا وجہ بحث وجدال سے دوری مفید ہوتی ہے

اصلاح وتربیت کے کارِ نبوت میں مجادلہ پسندی اور مناظرے بازی سے حتی الامکان پرہیز برتنا ضروری ہے، بلکہ بحث وجدال کا نہ کرنا مخاطب کی نفسیات پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ بحث وجدال کے ذریعے مخاطب کو قائل تو کر لیا جاتا ہے، لیکن یہ شکست اس کے لاشعور یا شعور میں ایک گانٹھ بن کر رہ جاتی ہے اور آئندہ کبھی بھی اگر اسے ہمارے ثابت کردہ بیانات کے خلاف کوئی معلومات کہیں سے ملتی ہے تو وہ فوراً سابقہ مخالفت پر لوٹ جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بحث وجدال کے بعد کیا جانے والا اعترافِ حقیقت صرف وقتی ہوتا ہے اور دل میں اس کی مخالفت جوں کی توں باقی رہتی ہے۔ بحث وجدال کا ایک لازمی نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ مربی اور متعلم کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے یک گونہ دوری پیدا ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کے تئیں حسد ورقابت کا جذبہ ابھر آتا ہے جو بہر حال تربیتی اسپرٹ کے لیے سمِ قاتل ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں تب ہیں جبکہ بحث وجدال اور مناقشے بازی کا کوئی نتیجہ برآمد ہوتا نظر آئے، ورنہ عام مشاہدہ تو یہی ہے کہ اس قسم کے مباحثوں سے کوئی واقعی یا عملی نتیجہ برآمد نہیں ہوا کرتا۔ اس لیے مربی ومعلم کو حتی المقدور اس قسم کی مناظرے بازیوں سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے۔ شرعی نصوص میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہر حالت میں مطلق جدال کی نفی کی گئی ہے اور محمود جدال کی جہاں اجازت ہے بھی، تو وہ ''بالتی ھی احسن'' (یعنی بطریقِ احسن) کی جامع شرط سے مشروط رکھی گئی ہے۔ ''بالتی ھی احسن'' کی شرط قرآنی اعجاز کا بہترین نمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ کسی بھی کامیاب گفتگو کے تمام عناصر کا احاطہ بھی کرتی ہے۔ اس میں مخاطب کی نفسیاتی حالت، علمی سطح، گفتگو کی جگہ، اس کا انداز، الفاظ، جملے غرض ہر اس چیز کا لحاظ شامل ہے جس سے باہمی گفتگو میں حسن اور منفعت

کا اضافہ ہوجائے اور مخاطب کے لیے اسے قبول کرنا آسان ہوجائے۔

امام دارالہجرت حضرت مالک بن انسؒ سے پوچھا گیا تھا کہ اگر انسان سنت کا عالم ہوتو کیا وہ اس کے دفاع میں مجادلہ ومناظرہ کرسکتا ہے؟ آپ نے جواباً عرض کیا کہ نہیں، لیکن اُسے سنت کی بات بتا دینی چاہیے، اگر سامنے والا مان لے تو ٹھیک ہے، وگرنہ اسے خاموشی اختیار کرلینی چاہیے۔(جامع بیان العلم وفضلہ:ص۴۱۲) حقیقتِ واقعہ بھی یہی ہے کہ جو شخص صدقِ دل سے حق کا طالب ہوگا وہ سچائی جان کر بے چون وچرا اسے قبول کرلے گا۔لیکن جو مخاطب عناد اور سرکشی کا خوگر ہوگا تو دنیا کا قابل ترین مناظرے باز بھی اسے مطمئن نہیں کرسکتا۔البتہ یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اگر اس کے سامنے بے کم وکاست حق بیان کردیا جائے تو شاید وہ اس پر غور وتدبر کرکے اپنی مخالفت سے رجوع کرلے۔عموماً ہوتا یہ ہے کہ بحث ومباحثے کے چکر میں معلم کے ہاتھ سے بہترین تعلیمی مواقع نکل جاتے ہیں۔مربی ومعلم کا کام مفوضہ فن کی تعلیم کے لیے سازگار موقعے کو کما حقہ استعمال کرنا ہے، نہ یہ کہ فضول مباحثوں میں ہاتھ آئے مواقع کو گنوا دینا۔حضرت عبداللہ بن حسنؒ فرماتے تھے کہ جدال ومناظرے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ پرانی دوستیاں برباد ہوجاتی ہیں اور جڑے ہوئے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور اس کا کم سے کم ضرر یہ ہے کہ فریقین کے مابین ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے جو لامحالہ قطعِ رحمی اور تعلق شکنی کا سبب بن جاتا ہے‘‘۔(جامع بیان العلم وفضلہ:ص۴۲۱)

ترکِ مجادلہ کا یہ حکم اس وقت بھی مطلوب ہوتا ہے جب کہ قائل کو اپنے برحق ہونے کا یقینِ کامل ہو۔اسلامی تربیت کا کام کرنے والوں کو جان لینا چاہیے کہ تربیت کا کام محبت اور ہمدردی کا طالب ہوتا ہے جب کہ بحث وجدال سے بہت زیادہ شغل رکھنے سے دلوں کی نرمی وگدازی رفتہ رفتہ ختم ہوجاتی ہے یا قساوت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔داعیٔ اعظم حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں جنت کے بالکل وسط میں اُس شخص کو گھر فراہم کرنے کا ذمہ لیتا ہوں جو حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑنے اور برا بھلا کہنے سے باز آجائے‘‘۔[انا کفیل لبیت فی وسط الجنة لمن ترک المراء محقا] (سنن اَبی داوٗدؒ:۴/۲۵۳) ہمیشہ یہ بات مستحضر رہنی چاہیے کہ بسا اوقات غلط کار انسان اپنی غلطی کو وقار اور عزت کا مسئلہ بنالیتا ہے اور پھر اسی حیثیت سے غلطی کا دفاع کرتا ہے، ایسی صورت میں دانش مندانہ اور مربیانہ طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بے مقصد بحث ومباحثے کو طول دے کر اس کے لیے رجوع کا دروازہ بند نہ کیا

جائے، بلکہ اس کے سامنے اپنے حالیہ موقف سے لوٹنے کے دروازے کھلے چھوڑ کر نہایت ہمدردی اور خلوص کے ساتھ فکرِ صالح کا تخم اس کے دل کی زمین میں ڈال دیا جائے اور امید رکھی جائے کہ غیر جانب داری اور اپنائیت کی صحت مند آب وہوا میں ایک نہ ایک دن انشاء اللہ یہ بیج بارآور ثابت ہوگا۔

پانچواں اصول: فریقِ ثانی کے مقام پر خود کو رکھ کر اصلاح کا طریقہ سوچا جائے

اگر ہم نے مخاطب گروہ کے فکری مناہج اور ان کی عقلی بنیادوں کا کما حقہ ادراک کر لیا ہے تو گویا ہم نے مخاطب کو راہ راست پر لانے کا آدھا مرحلہ طے کر لیا ہے۔ معلم ومربی کو چاہیے کہ خود کو مخاطب کے مقام پر کھڑا کر کے اس کے نقطۂ نظر سے حالات کو سمجھنے کی کوشش کرے اور پھر مخاطب کے لیے قابلِ قبول اور ممکنہ تجاویز وتدابیر پر غور وفکر کر کے مناسب ترین عملی طریقۂ اصلاح روبہ عمل لائے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگوں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرو جیسا کہ تم پسند کرتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ معاملہ کریں۔ [عامل الناس بما تحب أن يعاملوک] (الأربعين النووية:۱۸)

چھٹا اصول: نرمی وہمدردی کا رویہ ہر چیز کو رعنائی اور دل کشی بخشتا ہے

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ رفیق ہے اور رفقت کو پسند فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ نرمی پر وہ سب کچھ عطا فرما دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا، بلکہ کسی اور چیز پر بھی نہیں دیتا۔'' [انّ الله رفيق يحبّ الرفق، ويعطي علىٰ الرفق مالا يعطي علىٰ العنف، ومالا يعطي علىٰ ماسواه] (صحیح مسلمؒ:۴/۲۰۰۴) ایک دوسری روایت میں اس طرح 'نرم خوئی پر ابھارا گیا ہے کہ نرم خوئی جس چیز میں بھی شامل ہو جائے اسے آراستہ کر دیتی ہے اور جس چیز سے اسے نکال دیا جائے وہ معیوب ہو جاتی ہے۔'' [ما كان الحياء في شيءٍ الاّ زانه ولا نزع من شيءٍ الاّ شانه] (صحیح مسلمؒ:۵/۲۰۰۴) اُس اعرابی کا واقعہ جس نے مسجدِ نبوی میں پیشاب کر دیا تھا اس سلسلے میں نبوی اسوۂ حسنہ کی روشن مثال ہے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کی معیت میں مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور مسجد میں پیشاب کرنے لگا، صحابہ کرامؓ نے اس کو روکنے کے لیے آوازیں لگائیں تو آپؐ نے انہیں منع فرمایا، اور جب وہ اعرابی پیشاب سے فارغ ہو گیا تو اسے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ یہ مساجد ایسی مقدس جگہیں ہیں کہ اس میں پیشاب یا پاخانے جیسی

گندگی کرنا درست نہیں ہوتا، یہ تو صرف ذکرِ الٰہی، نماز اور تلاوتِ قرآن کے لیے بنائی گئی ہیں۔ پھر صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ تم لوگ آسانیاں فراہم کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، مشکلات پیدا کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے ہو، چلو اُس (پیشاب) پر پانی کا ایک ڈول بہادو۔'' [بینما نحن فی المسجد مع رسول اللهﷺ اذ جاء اعرابیّ فقام یبول فی المسجد،فصاح الناس مه مه فقال ﷺ: لا تزرموه دعوه،ثمّ قال له: انّ المساجد لا تصلح لشیءٍ من هٰذا البول والقذر؛انّما هی لذکر الله والصلاة وقراءة القرآن،وقال لهم: انّما بعثتم میسّرین ولم تبعثوا معسّرین،صبّوا علیه دلواً من الماء] (صحیح مسلمؒ:۶۸۷۔ مسند احمدؒ:۱۳۰۰۷)

ساتواں اصول: سائل کو موقع دیجیے کہ وہ بذاتِ خود آپ کی فکر کا تجزیہ کر کے ہم نوا بن جائے

اگر آپ کسی انسان کو غلط کار پاتے ہیں تو اس کی اصلاح کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ ایسے حالات پیدا کریں کہ اسے خود اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور پھر وہ خود ہی اپنی اصلاح و درستگی کی خاطر خواہ فکر کرے۔ اصلاح کا یہ انداز کسی بھی دعوت کو زیادہ سے زیادہ مقبول بنا دیتا ہے اور اس کے واقعاتی شواہد بھی بکثرت موجود ہیں۔ اس کی نفسیاتی وجہ یہ ہے کہ انسان جب بذاتِ خود اپنی غلطی کا ادراک کر لیتا ہے تو اس کے ازالے اور تدارک کے لیے زیادہ متحمس اور زیادہ پر جوش ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس طرح اصلاح وتربیت کی کوشش اس کے خیال میں باہر سے اس کے اوپر تھوپی ہوئی نہیں ہوتی، بلکہ خود اس کی اپنی اختیار کردہ روش ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم میں آفاق و انفس کی نشانیوں پر غور کرنے اور تاریخ سے اور اقوامِ سابقہ کے انجامِ سے سبق لینے کی جتنی تاکیدیں ملتی ہیں ان کا ایک اہم سبب یا سبق یہ بھی ہے۔

آٹھواں اصول: تنقید کرتے ہوئے کسی بھی شے کے درست پہلوؤں کا اعتراف بھی کرنا چاہیے

یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ مخاطب افراد کسی بھی شائستہ تنقید اور اصلاح وتربیت کی کوشش کو اسی وقت احترام ولحاظ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جب کہ انہیں اس میں انصاف پروری اور غیر جانب داری کا یقینِ واثق ہو۔ اور معلم ومربی کی غیر جانب داری اور منصف مزاجی کو باور کرانے کا راستہ یہی ہے کہ ان کے قابلِ اصلاح غلط پہلوؤں کے تذکرے کے ساتھ ساتھ ان میں پائی جانے والی

خوبیوں کی تحسین وستائش بھی کی جائے۔اس زریں اصول کی تطبیق ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت وکردار میں بدرجۂ اتم ملتی ہے۔صحیح بخاریؒ میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق ان کی بہن ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمرؓ سے فرمایا تھا کہ عبداللہ بہترین انسان ہیں، اگر وہ قیامِ لیل کا اہتمام کرنے لگیں۔'' [نعم الرجل عبدالله لو كان يصلّي من الليل] (صحیح بخاری:۶/۳) اسی روایت میں حضرت حفصہ ؓ آگے فرماتی ہیں کہ اس کے بعد سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا معمول ہو گیا تھا کہ رات میں بہت کم سوتے تھے۔اسی طرح دوسری حدیث میں آپ ﷺ سے منقول ہے کہ تیری والدہ تجھے روئیں اے زیادؓ! میں تو تمہیں مدینہ کے فقہاء میں سے شمار کرتا تھا۔'' [ثكلتك أمك يا زياد، ان كنتُ لأعدك من فقهاء المدينة] (مسند دارمی: مقدمہ ۲۹) لہٰذا اگر مخاطب بیس فیصد درست ہے تو پہلے اس کے درست پہلوؤں کی تعریف کی جانی چاہیے، اس کے بعد ہی باقی ماندہ اسّی فیصد غلطیوں پر تنقید کی جائے۔

نواں اصول: مخفی خامیوں کو اجاگر نہ کیا جائے

معلم ومربی کو ہمیشہ بہ ظاہر نظر آنے والی برائیوں کے ازالے پر اپنی توجہ مرکوز رکھنی چاہیے اور سامنے دکھائی نہ دینے والی برائیوں کو زیرِ بحث لانے سے احتراز کرنا چاہیے۔طلبہ کی پوشیدہ خامیوں کی چھان بین کرنا اور انہیں موضوعِ گفتگو بنانا اکثر وبیشتر ان کے دل کو قبولِ حق سے پھیر دیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی شریعت نے تتبعِ عورات سے نہایت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ ''اللہ کے بندوں کو ایذا مت پہونچاؤ، ان کے عیوب کی تشہیر نہ کرو، ان کی پوشیدہ خامیوں کو تلاش مت کرو کیونکہ جو اپنے مسلمان بھائی کی خامیوں کو تلاش کرتا ہے، اللہ اس کی مخفی خامیوں کو طشت ازبام کر دیتا ہے، یہاں تک کہ اس کو اس کے گھر میں ہی ذلیل وخوار بنا دیتا ہے۔'' [لا تؤذوا عباد الله ولا تعيّروهم ولا تطلبوا عوراتهم، فانّ من طلب عورة أخيه طلب الله عورته حتّىٰ يفضحه فى بيته] (مسند احمد: ۵/ ۲۷۹۔ سنن ترمذی، کتاب البر:۸۳) حضرت معاویہؓ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر تم، عامۃ الناس کے مخفی عیوب کی تلاش میں رہو گے تو تم ان کے فساد کا یقینی سبب بن جاؤ گے، یا ایک بڑا وسیلۂ فساد ثابت ہو گے۔'' [انّك ان تتبعت عورات الناس أفسدتهم أو كدت أن تفسدهم] (سنن أبي داؤد: ۴/ ۲۷۹)

دسواں اصول: مخاطب کی غلطیوں پر حسنِ ظن اور تحقیق وتصدیق کا رویہ اپنایا جائے

اگر کسی کے متعلق کوئی ایسی خبر پہونچتی ہے جو اس کے بدکردار اور فسق شعار ہونے کے لیے کافی ہے تو فوری طور پر حکم لگانے کے بجائے، پہلے اس کی تصدیق کر لینی چاہیے۔اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ حسنِ ظن رکھتے ہوئے متعلقہ شخص سے براہِ راست مسئلے کی بابت استفسار کر لیا جائے۔اس کا پہلا فائدہ تو یہ ہوگا کہ آپ اپنے طرزِ عمل سے اس کو اس بات کا احساس دلا دیں گے کہ اس کا وجود بھی آپ کی نظروں میں قابلِ احترام اور لائقِ اعتبار ہے اور یہ چیز اس کے دل کو آپ کی اصلاح وتربیت قبول کرنے کے لیے مزید آمادہ کر دے گی۔اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اسے اپنے آپ میں احساسِ شرمندگی ہوگا جو اس کی اصلاح وتربیت کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے بشرطیکہ ہم اس کو باور کرا دیں کہ ایسی برائیوں کا اس میں پایا جانا ایک مستبعد اور محال امر ہے، نیز اس کے معیار ومرتبے سے گری ہوئی بات ہے۔مثال کے طور پر اس سے کہا جائے کہ لوگ آنجناب کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کر رہے ہیں حالانکہ میرے گمان میں آپ سے ایسی باتوں کا صدور ناممکن ہے۔حضرت عمرؓ کا بھی یہی انداز سیرت کی کتابوں میں ہمیں منقول ملتا ہے۔ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ ''اے ابواسحاق، لوگ کہتے ہیں کہ تم باجماعت نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے۔'' [یا ابا اسحاق زعموا أنک لا تمشی تصلّی] (سیرۃ عمرؓ لابن الجوزی ص ٦٧) اللہ کے رسول ﷺ کا طریقہ تھا کہ مخصوص ومعلوم افراد کی کوتاہیوں پر سرزنش فرماتے تھے تو عمومی لب ولہجہ اختیار کرتے تھے۔[ما بال أقوام یفعلون کذا] (تفصیل کے لیے دیکھیں صحیح بخاریؒ: ٤٥٦، ٧٥٠، ٢٧٣٥، ٦١٠١۔ صحیح مسلمؒ: ٣٤٧٦)

یہ چند رہ نما اصول ہیں جن سے کارِ تربیت اور تحریکی توسیع میں خاطر خواہ استفادہ کیا جاسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ان کارآمد اصولوں سے فائدہ اٹھانے کی کماحقہ توفیق دے۔آمین۔

مدارس کا مطلوبہ نظامِ تعلیم وتربیت

شمشاد حسین فلاحی

میرے بچپن کی بات ہے۔ مئی کا مہینہ تھا۔ آم کے باغ میں کیری کا موسم اور شدید گرمی، دوپہر کے وقت گاؤں میں ہاتھی آگیا۔ مہاوت نے بچوں کو ہاتھی پر بٹھایا اور گاؤں سے قریب نہر میں ہاتھی کو نہلانے کے لیے لے گیا۔ ہم لوگ ہاتھی پر سواری کے شوق میں چلے گئے اور ہاتھی کے ساتھ خوب کھیلے اور مزہ بھی آیا۔ کوئی ایک گھنٹے خوب نہانے کے بعد مہاوت نے ہاتھی کو نہر سے نکالا اور باغ میں لے آیا۔ اس نے ایک بوسیدہ اور کمزور سی رسی نکالی۔ اسے پیڑ سے باندھا اور پھر ہاتھی کے پاؤں میں باندھ دیا۔ اور پھر وہ قریب ہی ایک بوری بچھا کر آرام کرنے لیٹ گیا۔ ہمارے ذہن میں ہاتھی کی طاقت کا تصور تھا، اس لیے سوچنے لگے کہ ہاتھی پاؤں کو ایک جھٹکا دے گا اور رسی ٹوٹ جائے گی اور ہاتھی بھاگ جائے گا۔ ہم نے اس خدشہ کا جب مہاوت سے ذکر کیا تو اس نے کہا کہ ہاتھی نہ اسے توڑے گا نہ بھاگے گا۔ پھر ہم بچے اسی انتظار میں وہاں کھڑے دیکھتے رہے۔ مہاوت سو گیا اور ہم اس وقت تک ہاتھی کے رسی توڑنے کا انتظار کرتے رہے جب تک ظہر کی اذان نہ ہوگئی۔ مہاوت اٹھا، پاؤں میں بندھی رسی کھولی اور ہاتھی کو لے کر چلا گیا۔ یہ حیرانی سالوں قائم رہی جب تک کہ پڑھنے لکھنے کے نتیجہ میں یہ بات معلوم نہ ہوئی کہ ہاتھی کی طویل عرصہ کی تربیت کے ذریعہ اس کی ذہنی صلاحیت کو محدود کر دیا جاتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جب ہاتھی بچہ ہوتا ہے تو اس کے پاؤں میں مضبوط زنجیریں اور رسیاں ڈال دی جاتی ہیں جنھیں توڑ کر وہ بھاگ نہ سکے۔ پھر جب وہ بڑا ہوتا ہے تو اسے معمولی سی رسی سے بھی باندھ دیا جائے تو وہ نہیں بھاگتا۔ کیونکہ طویل عرصہ مضبوط زنجیروں اور رسیوں میں بندھا رہنے سے اس کا ذہن اتنا محدود اور کمزور ہو جاتا ہے کہ پاؤں میں باندھی جانے والی رسی کو اتنا مضبوط تصور کرنے لگتا ہے کہ اس کو توڑا نہیں جاسکتا۔ یہ طاقت وصلاحیت کے باوجود ذہنی حد بندی اور کمزور ذہنیت کی ایک مثال ہے!

ایک آپ بیتی بھی سن لیجیے! جامعۃ الفلاح سے فضیلت کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں B.A. کے پہلے سال میں داخلے کے بعد دوسرے سال کی تعلیم کے لیے JNU چلے گئے۔ وہاں دوسرے سال میں ہمیں وہ ساتھی ملے جنھوں نے عربی زبان بی اے سالِ اول میں الف، ب سے سیکھنی شروع کی تھی۔ ان میں چند غیر مسلم ساتھی بھی تھے جنھوں نے حروف تہجی بھی وہیں سیکھے تھے۔ پھر ہوا یہ کہ وہ اور ہم ایک ساتھ ہوگئے اور ایم اے تک ساتھ رہے۔ ایم اے مکمل ہونے تک وہ اور ہم برابر ہو چکے تھے۔ کچھ احباب نے NET بھی حاصل کرلیا۔ گویا ہمارا سات سال عربی زبان پڑھنا ہمارے کسی کام نہ آیا کیونکہ ہم سب برابر ہو چکے تھے۔ ہمارے درمیان اب صرف اتنا ہی فرق تھا جتنا کسی کلاس میں اچھے، درمیانی اور معمولی طلبہ کے درمیان ہوتا ہے اور یہ فطری بات ہے۔ ہاں ایک بات میں ہمیں فوقیت حاصل رہی کہ ہم نے عربی زبان کو قرآن وحدیث اور فقہ کی کتابوں سے سیکھا تھا اس لیے وہ علم ہمارے پاس اضافی تھا۔

اوپر لکھے گئے دو واقعات کے ذریعہ مضمون نگار مدارس کے دو خاص پہلوؤں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہے۔ پہلے کا تعلق مدارس اسلامیہ کے تربیتی نظام سے ہے جب کہ دوسرے کا تعلق تعلیمی نظام سے ہے۔

سوچنے کی آزادی اور کھل کر سوچنے کی فضا انسان کے اندر ایک ایسی صلاحیت پیدا کرتی ہے جو اسے ابتکار، انکشاف اور نئی ایجادات تک لے جاتی ہے۔ جب کہ ذہنی اور فکری حد بندیاں اور قلب و دماغ کے گرد کسی بھی قسم کی گھیرا بندی انسان کو ان چیزوں سے محروم کرکے اپنی فطری صلاحیتوں کے ارتقاء اور ان سے استفادہ کے راستے بند کردیتی ہے۔ یہ بات ماہرین تعلیم بھی مانتے ہیں اور عملی تجربہ اور مشاہدہ بھی اس پر گواہ ہے۔ قرآن کریم اپنے بیان کردہ حقائق پر، جن کا کفار ومشرکین انکار کیا کرتے تھے، کھل کر سوچنے اور غور وفکر کرنے کی دعوت دیتا ہے اور **افلا تعقلون، افلا تدبرون، افلا یعلمون** اور **افلا تذکرون** جیسے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ ہم خود بہ حیثیت مسلمان اور قرآن کے شیدائی ہونے کی حیثیت سے اس بات کو نہ صرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ اس کی تلقین کرتے ہیں کہ قرآن میں جس قدر غور وفکر کیا جائے گا اور آزادانہ کیا جائے گا اسی قدر لعل وگہر سامنے آئیں گے۔ اگر ہم آزادی سے اس پر غور نہیں کریں گے، پچھلے ذہنی وفکری غلافوں سے نکل کر اسے نہیں پڑھیں گے تو پھر یہ ہوگا کہ ایک سوشلسٹ قرآن کو مزدوروں کی تحریک، دبے کچلوں کی سرمایہ داروں کے خلاف بغاوت اور سماجی

روایات کے خلاف اعلان جنگ کا دستور العمل ہی قرار دے گا۔اسی طرح یوگا کا ایک مبلغ نماز کے اعمال کو یوگا بتا تا رہے گا حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں۔

مدارس اسلامیہ کو'دین کے قلعے' قرار دیا جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کے نظام زندگی اور نظام تعلیم وتربیت میں ان دینی مدارس کا واقعی یہ اہم کام ہے کہ مستند علم دین یہیں سے حاصل ہوتا تھا اور ہوسکتا ہے، مگر ہماری ذہنی حد بندیوں نے اس علم دین کو بھی بانٹ دیا ہے اور اب وہاں علم دین نہیں بلکہ علم مسالک حاصل ہوتا ہے اور یہ مدارس، چند کو چھوڑ کر، ایسے فارغین تیار کر رہے ہیں جو فکری حد بندی کی مضبوط رسیوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ایسے میں اسلام کے مکمل نظام زندگی ہونے کا تصور مفقود اور اسلام کے مبلغین اور توحید خالص کے ترجمان ناپید ہیں۔

ذہنی حد بندیوں کی دوسری اور اہم مثال عملی زندگی کی وہ پابندیاں ہیں جو اکثر طلبہ کے لیے علم کے راستوں کو محدود اور مسدود کر دیتی ہیں۔ یہ نہ پڑھنا، یہ نہ سننا، فلاں کتاب نہ پڑھنا، فلاں صاحب کی تقریر نہ سننا وغیرہ اور بعض اوقات یہ اور اس قسم کی دوسری باتیں طلبہ کی زندگی کو نہایت دشوار بنا دیتی ہیں۔ان میں سر کے بالوں کا سائز، لباس کی تراش خراش، طلبہ پر اساتذہ کا ذہنی اور جسمانی تشدد اس کی مثالیں ہیں۔ جہاں پسند کا معقول ومعروف لباس پہننے کی آزادی نہ ہو اور جہاں سر کے بالوں کا سائز بھی سکے سے ناپ کر متعین کیا جاتا ہو اور جہاں ایک استاد محض کسی طالب علم کو ناپسند کرنے کی وجہ سے ذہنی وجسمانی اذیت دینے پر تلا رہتا ہو (مضمون نگار خود اس کا وکٹم ہے) وہاں سے اصحابِ ابتکار، انکشاف اور نئی ایجادات دینے والے لوگ تیار ہوسکیں گے؟

شاید اسی صورتِ حال کو دیکھ کر علامہ اقبال نے کہا ہو:

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

ہاتھی کے بچے کی تربیت اور انسان کے بچے کی تربیت میں بڑا فرق ہے۔ہاتھی کے بچے کی تربیت یہ ہے کہ اس کی ذہنی صلاحیتوں کو محدود بلکہ ختم کر دیا جائے تا کہ وہ انسان کے اشاروں پر اپنی پوری طاقت لگا کر کام کرتا رہے، جب کہ انسان کے بچہ کی تربیت یہ ہے کہ اس کی ذہنی وفکری صلاحیتوں کو جلا اور ترقی دی جائے اور جسمانی صلاحیتوں کو تقویت دی جائے تا کہ ایک مضبوط ومستحکم ذہنی صلاحیت رکھنے والا دماغ ایک صحت مند جسم میں بہترین خدمات انجام دے سکے۔ہم ہاتھی کے بچے کو پال پوس کر

اس کی جسمانی صلاحیت سے فائدہ اٹھانے میں مخلص ہوتے ہیں اس لیے اس کی دیکھ بھال کرنے اور جسمانی طاقت کو پروان چڑھانے میں اور ذہنی قوت کو ختم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ جبکہ انسان کے بچے کی تعلیم وتربیت میں مطلوب کے برعکس رویہ اپناتے ہیں۔

استاد طالب علم کا آئیڈیل ہوتا ہے اور ہونا چاہیے۔ بچے جب تک چھوٹے ہوتے ہیں وہ استاد ہی کو آئیڈیل تصور کرتے ہیں مگر جیسے جیسے وہ سمجھ دار ہوتے جاتے ہیں اس سحر سے نکلنے لگتے ہیں، وجہ ظاہر ہے کہ استاد عملی زندگی کے تجربے میں طالب عالم کے سامنے ناکام ہوتا جاتا ہے۔ اگر کوئی استاد یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک گھنٹی یا چند گھنٹوں کے لیکچر یا کلاس میں تقریر کے ذریعہ بچوں کو کامیاب طریقے سے اپنا علم منتقل کررہا ہے تو یہ بات درست نہیں۔ جس طرح ایک طالب علم سے یہ مطالبہ ہے کہ طالب علم سب کچھ چھوڑ کر پورے اخلاص وتن دہی سے علم حاصل کرے تبھی اس کو کچھ حاصل ہوگا، اسی طرح ایک استاد کے لیے بھی اسی درجہ کا خلوص لازم ہے کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر صرف طلبہ کو اپنا علم منتقل کرنے پر توجہ مرکوز کرے۔ گویا جس درجہ کا اخلاص طالب علم سے مطلوب ہے اسی درجہ کا اخلاص استاد سے بھی مطلوب ہے۔ جواب نظر نہیں آتا۔

اس کے آگے کی بات یہ ہے کہ ہم جب اپنے طلبہ کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے ہیں تو بجا طور پر یہ نظر آنا چاہیے کہ ہمارے اساتذہ خود بھی ان تعلیمات کی چلتی پھرتی تصویر نظر آئیں۔ اگر ایسا ہو تو علم کانوں کے راستے دماغ سے ہوتا ہوا دل میں داخل ہوجائے گا اور ہمارے فارغین مدرسے سے باہر بھی اسلام اور اس کی تعلیمات کی چلتی پھرتی تصویر نظر آئیں گے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ اساتذہ کے درمیان گروپ بندی اور انتظامیہ کے تنازعات تعلیمی وتربیتی نظام کو متاثر کررہے ہیں اور اسلام کی عملی اخلاقی تعلیمات کے اثر کو زائل کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔ **انما المؤمنون اخوۃ** کی تعلیم دینے والے اساتذہ اور **لا یغتب بعضکم بعضاً** کی تشریح کرنے والے اساتذہ کے بارے میں طلبہ کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اور فلاں صاحب کے درمیان تعلقات خراب ہیں اور بات چیت نہیں ہے تو ان اخلاقی تعلیمات کا اثر دھل جاتا ہے اور محض ایک عبارت باقی رہ جاتی ہے۔

اخلاص اور علم وعمل کی یکسانیت طلبہ واساتذہ کو خیر کثیر سے ہم کنار کرتی ہے اور دونوں کی زندگیوں کی کامیابی ضامن ہے اس لیے مدارس کے نظام میں جہاں طلبہ کی اخلاقی تربیت مطلوب ہے وہیں

اساتذہ بھی اس ضرورت کو اپنے لیے لازمی تصور کریں۔ اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ تعلیم وتربیت کا مقصد ہی طلبہ کی علمی، فکری اور ذہنی صلاحیتوں کو نکھارنا اور ترقی دینا ہے اور یہ کام غیر معمولی محنت، توجہ اور خلوص ومحبت کا طالب ہے، اور یہ طلبہ، اساتذہ اور انتظامیہ سب سے مطلوب ہے۔ جب تک ہم اپنے نظام تعلیم وتربیت میں ان باتوں کو شامل نہیں کریں گے تب تک کامیاب نسل تیار نہیں کر سکتے۔

دوسری مثال سے یہ بات کہنی مقصود ہے کہ ہمارے طلبہ واساتذہ میں، جو کچھ وہ دے رہیں یا لے رہے ہیں، اس سے کہیں زیادہ دینے اور لینے کی صلاحیت موجود ہے لیکن ہمیں اس کا ادراک نہیں ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے نظام تعلیم یا نظام تدریس میں ابتکار اور نئے نئے تجربات و مشاہدات کو شامل کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں نہ صرف یہ کہ سوچتے نہیں بلکہ اس سے خوف کھاتے ہیں۔ ایسا اس لیے ہے کہ ہم خود محض ایک لگے بندھے طریقے پر سوچنے اور عمل کرنے کے عادی ہیں اور نئی چیزوں کو اختیار کرنے کی صلاحیت کھو چکے ہیں خواہ وہ ہمارے لیے کتنی ہی مفید اور کارگر کیوں نہ ہوں۔ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کا تجربہ بار بار یہ احساس دلاتا ہے کہ ہم اپنے مدارس میں محض چند نئے تجربات سے فائدہ اٹھا کر اپنے طلبہ کی صلاحیتوں اور ان کے علم کو کئی گنا زیادہ کر سکتے ہیں اور انفارمیشن ٹکنالوجی کے اس دور میں یہ نہایت کم خرچ اور آسانی سے ممکن ہے۔ اگر ہم آمادہ ہوں؟ مثال کے طور پر صرف ٹی وی، انٹرنیٹ اور موبائل فون کو ہی پیش کیا جا سکتا ہے جو اب ہر جگہ بہ آسانی دستیاب ہیں اور موبائل کا تو معاملہ یہ ہے کہ اب ہر طالب علم اور استاد کے پاس ہے مگر وہ صرف رابطہ کا ذریعہ ہے صلاحیتوں کے پروان چڑھانے کے آلہ کار کے طور پر نہ تو ہم اس کا استعمال جانتے ہیں اور نہ اس کام کے لیے اسے استعمال کرنے کی سوچ رکھتے ہیں۔ اگر ہم اپنے طلبہ کی محض عربی دانی کو ہی ترقی دینے کے بارے میں سوچیں جو ہمارے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کا اہم ہدف ہے تو محض چند ماہ کے اندر طلبہ کی صلاحیتوں کو کہیں سے کہیں پہنچایا جا سکتا ہے۔ یہ بات افسوس ناک بھی ہے اور حیرت ناک بھی کہ اب تک نہ صرف یہ چیزیں مدارس کی حدود میں ممنوع ہیں بلکہ ان کے جواز تک کو موضوعِ بحث بنایا جاتا ہے۔

اخیر میں عرض ہے کہ اگر ان باتوں کو تنقید اور نکتہ چینی پر محمول کیا جائے تو مضمون نگار کو افسوس ہے۔ یہ باتیں محض اس امید کے ساتھ عرض کی گئی ہیں کہ شاید ان سے کچھ غور وفکر کی راہیں نکل سکیں۔ ●●

فارغین مدارس اور حکومتی اسکیمیں

نوراللہ خان فلاحی

برصغیر میں اہل مدارس اور فارغین مدارس ہمیشہ موضوع بحث رہے ہیں۔ تقسیم وطن سے پہلی کی تاریخ اور بعد کے حالات میں مدارس اسلامیہ کی ضرورت واہمیت ایک بڑا موضوع بنا ہوا ہے۔ چندہ اور بغیر حکومتی امداد کے ان مدارس نے تحریکِ آزادی اور ملک وملت کی تعمیر میں جو مخلصانہ کردار ادا کیا ہے وہ کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے، مگر افسوس کہ عملی طور پر مدارس کو نشانہ بنانا تقریباً تمام حکومتوں کی پالیسی رہی ہے۔

ہندوستان میں درس نظامی یا کم وبیش کچھ تجدید واصلاح کے بعد بھی ننانوے فیصد خصوصاً شمالی ہند کے مدارس کا نصاب آج بھی ایسا ہے کہ دینی تقاضوں کو تو کسی حد تک پورا کر رہا ہے لیکن بے شمار کمیاں رکھتا ہے اور کئی تبدیلیوں کا منتظر ہے۔ معاشی حالات اور خصوصاً سرکاری اسکولوں سے یکسر مختلف اور بالکل الگ انداز ومنفرد نوعیت کے نصاب تعلیم کی وجہ سے بارہویں کے بعد کی اعلیٰ تعلیم کے لیے طلبۂ مدارس کو کافی مشکلات کا سامنا ہے۔

مدارس کا قیام اور اس کے مقاصد اور اس کی روح زندہ رہے اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے لیکن ان کی معاشی ضرورتوں اور عملی میدان میں ان کی دشواریوں کے پیش نظر ان کی بہتری کے لیے کچھ جائز تبدیلیاں ضرور کی جائیں۔ اور اس کے لیے بہتر ہے کہ کبار علماء اور ملت کے دانشور خود ہی اسے بغیر حکومتی مداخلت انجام دیں۔ یہی بہتر ومناسب ہوگا تاکہ حذف واضافہ بھی ہوسکے اور قیام مدارس کے مقاصد بھی مجروح نہ ہوں اور مستقبل کے فوائد بھی ضائع نہ ہوں۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ ہمدرد، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی،

پٹنہ یونیورسٹی، خواجہ معین الدین عربی و فارسی یونیورسٹی وغیرہ نے تقریباً 50 مدارس کی عالمیت اور فضیلت کی اسناد کو بارہویں کے مساوی تسلیم کر کے بی اے، بی یو ایم ایس اور دیگر شعبہ جات میں داخلہ کا مجاز قرار دیا ہے۔

فارغین مدارس کا صرف پانچ فیصد ان اعلیٰ تعلیم گاہوں تک بمشکل رسائی پاتا ہے اور حقیقی معنوں میں ان میں سے بھی کئی طلبہ ملک کے بنیادی تعلیمی ڈھانچے سے دور یا الگ ہونے کا نقصان اٹھاتے ہیں۔ یہ فارغین مدارس چونکہ الگ نصاب سے وابستہ ہوتے ہیں اس لیے مدرسہ میں رہتے ہوئے NCC یا NSS جیسی سرگرمیوں سے استفادہ نہیں کر سکتے ہیں۔ اس کی اسناد اعلیٰ کورسز میں فائدہ مند ثابت ہوتی ہیں اور یونیورسٹی میں یہ موقع انہیں مل جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کالجز کی طرح ان کو تعلیمی اسفار کی سہولت بھی میسر نہیں ہو پاتی ہے اور توسیعی لیکچرز وغیرہ کی کمی رہتی ہے۔ یہ بھی کرایا جائے تو بعد میں تدریسی اور دعوتی نقطۂ نظر سے بھی بہت مفید ہوگا۔

اس وقت ضرورت ہے کہ معیار بڑھا کر دیگر اضافی مضامین بھی شامل ہوں اور جہاں تک ممکن ہو مزید کالجوں اور یونیورسٹیوں سے الحاق کیا جائے۔ دسویں، بارہویں کے لیے بالترتیب مولوی، عالمیت، فضیلت کی سند کو بارہویں کے مساوی قرار دیے جانے کے لیے مزید مقامات پر کوشش ہوتی رہے اور حکومتوں سے مطالبے جاری رہیں۔

صحت، مفت تعلیمی اسکیمیں ضلعی اقلیتی افسران سے مل کر انسانی، اخلاقی یا طلبہ کی حیثیت سے ملنے والی اسکیموں سے طلبہ کو جوڑا جائے۔ بحیثیت ہندوستانی شہری ابتدائی سے لے کر بارہویں تک کی سبھی اسکیموں سے استفادہ کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔ یوپی و بہار کے بے شمار مدارس کئی اسکیموں سے مستفید ہو رہے ہیں۔

روزگار اور کریئر کے حوالے سے اسکیموں کا تعارف کیسے ہو اس حوالے سے مختلف ریاستوں میں قائم شدہ مدرسہ بورڈ کے امتحانات ضرور دلوائے جائیں، جس سے انھیں بعد میں سرکاری نوکری بھی مل سکیں۔ آسام مدرسہ بورڈ، بہار مدرسہ بورڈ، عربی و فارسی مدرسہ بورڈ لکھنؤ، جامعہ اردو علی گڑھ وغیرہ کے امتحانات سے بھی طلبہ کو روشناس کرایا جائے، جس سے آگے چل کر ان کو پولیس اسٹیشن میں اردو مترجم وغیرہ کی نوکری مل سکے اور فوج میں امام و موذن کی اسامیوں کے لیے ان کو تیار کیا جا سکے۔ اسی طرح

حکومت کی خصوصی ایجنسیوں میں مترجم یا کلرک وغیرہ کے لیے نوکری کا موقع مل سکے۔ 1995 کی اسکیم کے تحت اتر پردیش میں ملائم سرکار نے ادیب ماہر کی سرٹیفکیٹ پر تقرری کرائی تھی۔ اسے دوبارہ لایا جائے اور نئے وجود میں آنے والے تھانوں میں بھی اردو مترجم کی تقرری کو یقینی بنایا جائے اور ضلع اقلیتی فلاح و بہبود افسر کے دفتر میں بھی ایک اردو مترجم کو رکھوایا جائے، جہاں اقلیتوں اور مدرسہ کے مسائل سے برابر واسطہ رہتا ہے۔

اس کے علاوہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (NCPUL) کے کمپیوٹر کورس، NIOS کے اوپن اسکولنگ اور اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی سے جوڑا جائے تاکہ جو طلبہ فراغت کے بعد مدارس میں مدرس کی حیثیت سے دلچسپی یا اہلیت نہ ہونے کی بنا پر یا معاشی مجبوری کی حالت میں کچھ اور پیشہ اختیار کرنا چاہیں تو انہیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو اور وہ دیگر کورس کر سکیں۔

ان کے علاوہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی بھی پرائیویٹ بی۔ اے کراتی ہے، جس میں طلبہ مدرسے میں رہتے ہوئے بھی ان کورسز کے مجاز ہیں۔ کئی میں ترجمہ کا کورس ہے، اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ فارغین مدارس یا طلبۂ مدارس کے لیے معاشی کمزوری دور کرنے کے لئے کئی NGO اور سوسائٹی وغیرہ سے مالی تعاون لیا جاسکتا ہے جو طلبۂ مدارس NIOS یا MAANU سے وابستہ ہوں وہ ان اداروں سے CERTIFICATEBONAFIED دکھا کر سینٹرل وقف کونسل اور مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن سے مالی تعاون حاصل کریں۔ یا اگر دقت آئے تو وہاں اس کا مطالبہ کیا جائے اور وقف کی اسکیمیں لائی جائیں۔ کچھ مدارس جہاں ابتدائی یا جونیئر سطح کے کورسز ریاستی حکومت سے منظور شدہ ہوں وہاں کی اسکیموں سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ ان کو سنسکرت بورڈ کی ساری اسکیموں کے مساوی حق دلایا جائے، یہ بھی کوشش جاری رکھنی چاہیے۔

استفادہ کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ ابتدائی یا جونیئر سطح تک ہر مدرسہ ریاستی سرکار سے ضرور منظور شدہ ہو، تاکہ اس کے ذریعہ ضلع ڈیولپمنٹ افسر اور ضلع اقلیتی فلاح و بہبود افسر سے معلومات لے کر اسکیموں سے فائدہ اٹھایا جائے اور انہیں دیگر NGOs کے ذریعہ ایسی اسکیمیں لانے کی تجویز دی جائے جو کم از کم فروغ اردو زبان کے بہانے طلبۂ مدارس کے لیے مفید ہو سکیں اور کچھ نہ سہی تو کمپیوٹر یا انگریزی کے کورسز یا کچھ مالی وظائف کی شکل میں طلبۂ مدارس کے کام آسکیں۔ ایک اور اسکیم ہے جہاں

استفادہ ہورہا ہے وہ ہے یوپی و بہار کے مدرسہ بورڈ کے تحت سیکڑوں مدارس جو امداد یافتہ ہیں ان کے مدرسین ''ساتواں پے کمیشن'' کے تحت مستفید ہورہے ہیں اور وہاں تعلیمی وظیفہ، کھانے کے سامان اور ٹھنڈک میں کمبل وغیرہ تقسیم ہوتا ہے۔ جنوبی ہند کی سرکاروں نے خصوصاً نئی ریاست تلنگانہ کی سرکار نے کچھ بہتر اسکیم دیے ہیں جس سے شمالی ہند کے مدارس سبق لیں اور سرکار سے مطالبہ کر کے اسے عمل میں لانے کی کوشش کریں۔ کچھ بینک اور NGOs بھی فلاحی اسکیمیں چلاتی ہیں، جس سے استفادہ ممکن ہے۔ لیکن وہاں کچھ افراد کو جا کر پروگرام اور اسکیموں کی شرائط میں کچھ تبدیلی کرانا ہوگا تاکہ طلبہ مدارس کے لیے وہ شرائط قابل عمل ہوسکیں۔ ''سمر اسلامک کلاسز'' کے نام سے کئی غیر سرکاری تنظیمیں کورسز کراتی ہیں۔ جہاں کمپیوٹر، اسلامیات اور دیگر مسابقہ جاتی امتحانات ہوتے ہیں اور کامیاب طلبہ و طالبات کو میڈل اور مالی انعامات سے بھی نوازا جاتا ہے۔

معاش اور کریئر کے امکانات

مدارس سے فراغت کے بعد ان طلبہ کے لیے جلد از جلد نوکری کا حصول ایک مسئلہ ہے جو ان کی مالی حالت پہ منحصر ہوتا ہے۔ ایک خاص عمر کے بعد فضیلت و عالمیت سے فراغت کے بعد شادی اور گھریلو ذمہ داریاں ایسی ہوتی ہیں کہ طلبہ مسائل میں گھرے ہوتے ہیں۔ یہ طلبہ یونیورسٹی وغیرہ میں حسب استطاعت بی۔اے، بی۔یو۔ایم۔ایس، بی۔ایس۔ڈبلیو، وغیرہ کورسز میں جاتے ہیں لیکن اس کے علاوہ گلوبلائزیشن کی آمد سے کئی راستے ہموار ہوئے ہیں جیسے میڈیکل ٹورزم میں مترجمین اور سیر و سیاحت کی انڈسٹری میں کافی مواقع ملے ہیں۔ غیر ملکی زبان دانی ایک مفید چیز ہے۔ جس سے سفارت خانوں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں میں نوکریاں، ریسرچ، ترجمہ یا فوری ترجمہ کے مواقع مل رہے ہیں۔ ابھی گوگل اور فیس بک نے کافی لوگوں کا تقرر کیا ہے۔ اس کے علاوہ مزید سرکاری اسکیموں سے استفادہ کے لیے حکومت کی ویب سائٹوں اور متعلقہ وزارتوں سے معلومات اخذ کرنے کی ضرورت ہے اور نئی اسکیموں کے لیے تجویز بھی دینے کی ضرورت ہے تاکہ طلبہ مدارس کے مسائل کو آسان بنایا جائے۔

حکومت کی اسکیمیں ہمارے لیے اس لیے بھی ناممکن ہوجاتی ہیں کہ ہم ان شرائط کو پورا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس لیے مدارس کی روح سے مصالحت کیے بغیر ایک جامع نصاب لانے کی ضرورت ہے جو بارہویں کے مساوی ہو اور ایسا ہو کہ کچھ آسان شرائط و اجازت کے ساتھ تمام مکاتبِ فکر کے یہاں

یکساں مقبول بھی ہو سکے تاکہ کچھ ضروری اضافی مضامین وقت کے تقاضوں کے مطابق شامل کیے جائیں جیسے کمپیوٹر، سائنس، کچھ کلاسز میں جغرافیہ، انگریزی وغیرہ تاکہ ان اسکیموں کے شرائط میں آسانی ہو سکے اور ان کے علاوہ مستقبل میں آنے والی دیگر اسکیموں اور وظائف وغیرہ کے لیے ہمارے طلبہ تیار ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۴/اکتوبر ۲۰۱۹ء

برادران محترم

صدور یونٹس انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کی موجودہ میقات کا یہ آخری سال ہے اور آخری سال میں نئے ذمہ داران کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔ پہلے مرحلے میں مجلس نمائندگان کا انتخاب ہونا ہے۔ ممبرانِ انجمن پر مشتمل لسٹ کا کام آخری مرحلہ میں ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ انتخابی عمل میں ہر فلاحی کی شرکت یقینی ہو۔ اس سلسلے میں تمام ہی یونٹوں سے نئی تیار شدہ (Updated) لسٹ درکار ہے، جس میں نام، سن، فراغت، پتہ، موبائل نمبر اور ای میل ایڈریس وغیرہ شامل ہو۔

امید ہے کہ ۳۰/اکتوبر ۲۰۱۹ء تک حتمی لسٹ فراہم کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ ۵/نومبر ۲۰۱۹ء تک الیکشن کے ضمن میں پہلا سرکلر کنوینر کمیٹی کی طرف سے جاری کیا جا سکے۔

بقیہ احوال لائق شکر ہیں۔

والسلام

انعام اللہ فلاحی

سکریٹری انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح

موبائل: 8130959045

تربیت اور کھیل کا دفتر کھلا!

امتیاز وحید فلاحی

جامعۃ الفلاح کی ناموری کا ایک روشن باب ورزش، کھیل کود اور اس سے وابستہ تربیتی نظام سے متعلق ہے۔ تعلیم اور تربیت فلاح کے دو کلیدی اہداف ہیں۔ تربیت اپنے وسیع مفاہیم میں کئی پہلوؤں کو محیط ہے۔ کھیل اور صحت و تندرستی نظامِ تربیت کا ایک اہم پہلو ہے، جسے تعلیمی صحت مندی سے ہمیشہ جوڑ کر دیکھا جاتا ہے۔ روح اور جسم (Mind and Body) کا فلسفہ اس نکتے کو بڑی اہمیت کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ عالی دماغ ارسطو (384–322 ق۔م) نے ان کی اہمیت کو یہ کہہ کر تسلیم کیا ہے کہ Mind is a faculty of the soul تاہم اس تصور کو حقیقی معنوں میں اسلام نے ٹھوس زمین فراہم کی ہے۔ اسلام روح اور جسم کے اتصال کو اپنے اساسی محور ''نماز'' کی صورت میں پیش کرتا ہے، جہاں روح اور جسم کی دوئی یا ثنویت کا تقریباً خاتمہ ہو جاتا ہے اس طرح کہ نماز کی حالت میں سیدنا حضرت علیؓ کے پیر سے تیر نکال لیا جاتا ہے اور انھیں اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔ یہ اطلاقی ہم آہنگی کہیں اور ممکن نہیں۔ گویا روحانی نعمتوں سے استفادے کے لیے صحت مند جسم ایک اہم پناہ گاہ ہے۔ ''صحت مند خیالات صحت مند ذہن میں رہتے ہیں''، جیسی کہاوت میں غالباً جسم کی اسی صحت مندی کا نکتہ مضمر ہے۔ لہٰذا تعلیم کی غایت اہمیت کے پیش نظر اسلام نے تعلیم کے عوض قیدی کی رہائی کا پیمانہ مقرر کیا وہیں قائد اسلام محمد ﷺ نے بذاتِ خود کھیلوں اور ورزشی سرگرمیوں میں حصہ لیا، حضرت عائشہ کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ آرائی کی اور عرب کے مشہور پہلوان رُکانہ کو کشتی میں بچھاڑ دیا۔ گویا تعلیم اور اسپورٹس کے شعبے میں یہ دونوں پیمانے ہمارے لیے اسوہ ہیں اور ہمارے جذبوں کا سرچشمہ بھی۔ بعینہٖ ایک مطلوبہ مسلمان کا تصور روح اور جسم کے توانا

امتزاج اور ترکیب سے بنتا ہے۔چنانچہ اسلامی تعلیمات کے ساتھ عہد نبوی میں تیر اندازی، گھوڑسواری، تیراکی، شمشیرزنی، نیزہ بازی، چہل قدمی، دوڑ اور کشتی وغیرہ اسپورٹس کی مختلف صورتیں موجود تھیں۔

کھیل کود، کسرت اور ورزش انسانی صحت و تندرستی کے سیاق میں بامعنی ہیں۔جسم نفس کی کارگزاریوں کے اظہار کا بے حد کامیاب اور مفید وسیلہ ہے۔جسم کی صلاحیتیں بے شمار ہیں اوراس کا دائرۂ کار بھی وسیع ہے۔چنانچہ جسم کی نظافت اسلام کا پہلا تقاضا ہے۔موجودہ دور میں ماحولیات اور فضائی آلودگی کے سبب صفائی اورصحت کے باب میں پیدا ہونے والے مسائل ہم سے مخفی نہیں۔اسلام اس کا تدارک روزاوّل سے کرتا ہے۔پاکیزگی،طہارت،نہانے دھونے،خوشبولگانے اور صاف ستھرا لباس پہننے جیسے عمومی رنگ کی بہ نسبت اسلام حفظانِ صحت کے اصولوں کو بالکل جدید اور مفید اصول و قواعد کے ساتھ پیش کرتا ہے۔نبی کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا:''و ربک فکبر وثیابک فطھرو الرجز فاھجر ''۔دوسری جگہ ارشاد باری ہے:''ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین ''۔حدیث رسول میں:''الطھور شطر الایمان ''پاکی نصف ایمان ہے۔چنانچہ عبادت کے لیے پاکی کی حالت اور پاک جگہ کی قید لگائی گئی اورقرآن میں ابراہیمؑ کو تاکید کی گئی کہ'' میرے اس گھر کو طواف،اعتکاف اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو''۔بیماریاں اسلام کے فطری اصولِ نظافت سے انحراف کا نتیجہ ہیں۔اسی لیے نماز سے پہلے وضو،غسل فرض، ہر بال کے نیچے جنابت کی نشان دہی لہٰذا بالوں کو دھونا اور جسم کی صفائی اسلام کے زریں اصول ہیں بلکہ نبی محترم نے چالیس دن کی مدت میں مونچھوں کی تراش وخراش،ناخن کاٹنے،ناف اور بغل کے بال کی صفائی، پانچ نمازوں کے اوقات میں مسواک سے دانتوں،مسوڑھوں،تالو اور گلے کی صفائی کا اہتمام،کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھوں کی صفائی کا حکم اور جسم کے ساتھ لباس کی پاکی اور صفائی کو بھی ناگزیر قرار دیا ہے۔

نظامِ طہارت سے اسلام گندگی، پراگندہ خیالی، کمزوریوں اور بیماریوں سے پاک معاشرہ، ماحول اور آب و ہوا کو یقینی بنانا چاہتا ہے جس میں انسان کی انفرادی اوراجتماعی زندگی تنومند جسم، روح اور ثمر آور خیالات کے ساتھ فطری طور پر پروان چڑھے۔صحت وتندرستی کا اسلامی تصور جسم کے مدافعتی نظام کی تعمیر اور اسے مقوی بنانے سے عبارت ہے۔مقصود یہ ہے کہ انسان جسمانی طور پر خود کفیل ہو، اس

میں دفاع، مقابلہ آرائی اور خود کی حفاظت کا بوتا پیدا ہو جائے اور وہ محنت اور مشقت سے ہر کام کو بہ آسانی انجام دے سکے، بلکہ حدیث رسول ''المومن القوی خیر من المومن الضعیف و فی کل خیر'' کی رو سے ایک صحت مند مسلمان کو روز و شب کی عبادت سے لے کر رمضان کے روزے اور پھر حج کے فرائض کی تیاری کے لیے جسمانی طور پر بھی تیار کرنا ہے۔ جسمانی استحکام پر مبنی چند حبشی نوجوانوں کے کرتب کو خود رسول اللہ ﷺ نے صحنِ مسجد میں دکھانے کی اجازت دی اور یہ کہتے ہوئے ''دونکم یا بنی ارفدة لیعلم الیهود ان فی دیننا فسحة'' (بخاری، مسلم) دین میں کھیلوں کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی پوری مملکت میں اساتذہ سے ''علموا اولادکم السباحة والرماية وركوب الخيل'' (رواہ ابونعیم فی العرفتہ: ۱/۴۴۰) یعنی تیراکی، تیراندازی اور شہسواری کی تعلیم دینے کا مطالبہ کیا۔ اس طرح اسلام نے In door اور Out door گیم کے نظام کو متشکل کیا اور اس کی ترغیب دی ہے۔

مدارس میں اسپورٹس ہماری غیر تدریسی سرگرمیوں کا حصہ ہیں۔ کھیل کود عہد حاضر میں جس تیزی کے ساتھ ایک بڑی صنعت کے طور پر متعارف ہوا ہے، وہ قابل توجہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج اسے نہ صرف عام تعلیمی و تربیتی زندگی کا ایک ناگزیر حصہ تصور کیا جاتا ہے بلکہ اسے کیریئر اور روزگار کے ایک اہم شعبے کی حیثیت سے بھی دیکھا جا رہا ہے۔ یہ شعبہ جس سرعت کے ساتھ ہماری توجہ چاہتا ہے، وہ ہمارے مدارس میں مفقود ہے یا یہ اپنی درست اسپرٹ (Spirit) کے ساتھ نہیں پایا جاتا۔ بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ مدارس کے تعلیمی نظام میں اسے اس کی وسیع اور عصری اہمیت کے سیاق میں کبھی دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ ہمارے عہد کے فلاح میں کھیل کود کا ملح فی الطعام کے درجے میں داخل تھا اور اسے محض جسمانی تنومندی کے دائرہ ہی میں دیکھا جاتا تھا، تاہم کھیل کود اور کھیل کے میدان سے وابستہ زندہ و جاوید یادیں اتنی تازہ، کیف انگیز اور مزے دار ہیں کہ اس کے نقوش آج بھی ہمارے دلوں پر قائم ہیں۔ اسی لیے بقولِ شاعر

جہاں جائیں وہاں تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں
کوئی محفل ہو تیرا رنگِ محفل یاد آتا ہے!

فلاح میں شعبۂ اسپورٹس کا پیمانہ مختصر سہی لیکن یہ حکایتِ دل پذیر کا دفتر ہے، جہاں طلبہ کی صحت

اور تندرستی کے تئیں اساتذہ اور نگراں حضرات کی فکرمندی دیدنی تھی۔ وہ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ عصر کی نماز کے بعد کوئی طالب علم کمروں میں بیٹھا نہ رہے، باہر میدان میں نکلے، کھیل کود میں حصہ لے یا کم از کم ہوا خوری کے لیے ہی سہی مدرسے کی چہار دیواری سے نکل کر باہر ہو آئے۔ ایک دفعہ مہتمم جامعہ استاذی مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب عصر کی نماز کے بعد ہوسٹل کی طرف نکل آئے تو کچھ طلبہ کو کمرے میں بیٹھے باتوں میں مصروف پایا، غالباً اس سے مولانا کو ذہنی تکلیف پہنچی لہٰذا اس صورتِ واقعہ کے ضمن میں انھوں نے اسپورٹس کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈالی اور اپنی ایک تذکیر میں فرمایا کہ ''عصر کے بعد طلبہ کمروں میں بیٹھے نہ رہیں بلکہ میدان میں جا کر اپنی پسند کے کھیل میں حصہ لیں یا دور شاداب اور ہرے بھرے کھیتوں میں نکل جائیں''۔ بہت جلد اس کے خوشگوار اثرات محسوس کیے گئے اور صورتِ حال میں واضح تبدیلی دیکھی گئی۔ دو دن بعد ہی استاذِ گرامی مولانا مرحوم صغیر احسن اصلاحی صاحب نے ہرے بھرے کھیتوں اور فصلوں کے بیچ چہل قدمی کی خاطر طلبہ کے گزرتے انبوہ پر خوشی کا اظہار کیا اور یہ ریمارکس دیا کہ ''چہل قدمی کے دوران کسی نے کسی کی فصل کا ایک پتا بھی نوچ لیا تو ہمارے نزدیک یہ قاتلانہ ذہنیت ہے اور ہمیں اس کے لیے اللہ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا''۔ چنانچہ ہم نے اپنے پانچ سالہ دورِ طالب علمی میں کبھی یہ شکایت نہیں سنی کہ کبھی کسی طالب علم نے مٹر کے کھیت سے مٹر کی ایک پھلی توڑی ہو یا کسی کے کھیت سے ایک گنا بھی توڑا ہو۔ صحت اور تندرستی کے صیغے میں اساتذہ کی اس روشن مثالیت نے ہمیں زندگی کے ہر محاذ پر سرفراز کیا اور خوشنودیِ رب اور استحضارِ الٰہی کے حقیقی تصور سے بہرہ ور کیا، نتیجتاً ہم فلاح کے نظامِ تربیت سے بہت کچھ لینے میں کامیاب ہوئے۔

صحت و تندرستی کی اہمیت کے پیشِ نظر اسلام 'آرام اور سکون' کی تعلیم دیتا ہے۔ شبینہ قیام اور دن میں پابندی سے روزہ رکھنے کے حوالے سے نبیؐ نے عبداللہ بن عمرؓ کو یہ ترغیب کہ اس سے تمہاری ''آنکھیں اندر دھنس جائیں گی، جسم کمزور ہو جائے گا، جب کہ تمھیں خیال رکھنا چاہیے کہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے گھر والوں کا بھی، اس لیے روزے رکھو تو وقفہ بھی کرو، رات میں قیام کرو تو سویا بھی کرو'' (بخاری، کتاب التہجد، حدیث ۱۰۸۱) جسمانی صحت کے آفاقی اصول ہیں۔ قیلولہ رسول اکرم ﷺ کے معمول کا حصہ تھا۔ شراب، مردار، خون، خنزیر اور غیر اللہ کے نام پر قربان کیے گئے جانور جیسی مضرِ صحت اشیا کی ممانعت، خوراک میں لحمیات، نشاستہ، چکنائی، نمکیات، حیاتین اور پانی کا

متوازن استعمال، اسی طرح سادہ، نرم، زود ہاضم مرغوب غذا، خواہش سے کم اور اشتہا کے بغیر نہ کھانا، چبا کر کھانا اور عجلت سے پرہیز، کھانے کے بعد چہل قدمی، ہفتہ بھر ایک ہی قسم کی غذا کے استعمال سے گریز، متضاد تاثیر (گرم اور سرد) والی غذاؤں سے معدہ کا تحفظ نبی محترمؐ کی سنت ہے۔ شہد، زیتون کے پھل اور تیل کے استعمال پر قرآن اور حدیث کی تشویق قابل اعتنا پہلو ہیں، جن کی تائید و توثیق سائنسی تجربات نے بھی کی ہے۔ چنانچہ اسلامی تصورِ صحت اور علم الابدان کی روح کو اللہ نے ''وکلو و اشربو و لاتسرفوا'' کی مختصر آیت میں محفوظ کر دیا ہے۔

جامعۃ الفلاح میں طلبہ کی تعلیمی عمارت کو جس غیر تدریسی نظام نے سنبھال رکھا ہے، اس میں جمعیۃ الطلبہ کے منصوبہ بند لائحۂ عمل اور اس کی ہمہ جہت سرگرمیوں کا بڑا دخل ہے۔ ہمارے زمانے میں کھیل کود کا شعبہ جمعیۃ الطلبہ کی مملکت کا ایک اہم قلم دان تھا۔ دیگر شعبوں کی طرح اس کا وزیر بھی شورائی نظام کے تحت منتخب ہوتا تھا۔ کھیل کے انتظام و انصرام کی تمام تر ذمے داری اس کے کاندھوں پر ہوتی تھی۔ متعلقہ کھیل کے تحت وہ فٹ بال، والی بال اور دیگر اشیاء اور لوازمات کی فراہمی کا پابند تھا۔ بے کار، ناقابل استعمال خراب بال اور اشیا کی جمع آوری اور تحفظ پر چاق و چوبند رہتے ہوئے ٹیمیں تشکیل دینا، وقتاً فوقتاً کھیل کے مقابلے کا انعقاد، سالانہ اسپورٹس ایونٹس اور عصر بعد میدان میں کھیل کود کی سرگرمیوں کی نگہ داشت اس کے فرائض میں شامل تھے۔ لیکن اس شعبے کی فعالیت کو وزارتِ مطبخ یا دیگر تحریری و تقریری غیر تدریسی محاذ کے مقابلے میں زیادہ تنومند اور بار آور نہیں کہا جا سکتا۔ فلاح میں کھیل کو ادب میں طنز و مزاح کی طرح مین اسٹریم سرگرمی کا حصہ نہیں بلکہ دوسرے درجے یا غیر سنجیدہ سرگرمی کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات اسے تعلیمی اعتبار سے سنجیدہ طلبہ منھ لگانا کسر شان بھی سمجھتے ہیں اور نتیجتاً اپنی صحت کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ براہِ راست نظام کی خرابی ہے۔ وہاں تصوراتی فضا بندی کچھ ایسی پائی جاتی ہے گویا کوئی چیز جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے۔

معلوم نہیں یہ کس شاعر کا شعر ہے جو بچپن سے حواس پر چھایا ہوا ہے: ع

پڑھو گے لکھو گے بنو گے نواب
کھیلو گے کودو گے بنو گے خراب

تحصیل علم کی طرف مائل کرنے کی حد تک تو بات یقیناً درست ہے کہ تعلیم اور کھیل کود کے بنیادی

فرق کو سمجھا جائے تاہم آج کے دور میں کھیل کو دکوسرے سے نکارنا دانش مندی نہیں کہا جاسکتا۔ پیدائشی طور پر بچے مختلف طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ تعلیمی رجحان رکھنے والے بچوں کے ساتھ ایسے طلبہ و طالبات کی بھی کمی نہیں جو تعلیم کے بجائے کسی اور جہان میں اپنا مستقبل دیکھنا چاہتے ہیں۔ جسمانی ساخت کے اعتبار سے بھی بچوں میں نمایاں فرق ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اسے بھی کیریئر کا محور بنایا جاسکتا ہے۔ ایسے میں بچوں پر اپنی مرضی تھوپنے کے بجائے انھیں ان کی فطری آمادگی کے شعبے میں جانے دیا جائے تو زیادہ کامیابی کے امکانات روشن ہوسکتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے نہ فلاح جیسے ادارے اس کے لیے بنے ہیں اور نہ وہاں اس نقطۂ نگاہ کی کما حقہٗ گنجایش ہے۔

جامعۃ الفلاح میں منظّم اسپورٹس کا تصور عموماً والی بال، فٹ بال، کبڈی اور بیڈمنٹن جیسے کھیلوں سے وابستہ ہے۔ ہمارے عہد میں اعظم گڑھ اور قرب و جوار میں والی بال ایک نشہ تھا، جس کے عشق میں ہر خاص و عام گرفتار تھا۔ فلاح بھی اس کے سحر میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہاں والی بال کی چھوٹی بڑی کئی ٹیمیں تھیں۔ بعض قابل ذکر، فعال اور مضبوط تو بعض بالکل نوخیز اور مبتدی۔ خود میری جماعت کے احباب میں والی بال سے عہد و پیماں باندھنے والوں کی کمی نہ تھی۔ مرحوم ندیم (بمہور)، شہنواز (شاہ پور مولانی)، مرحوم محمد مبین، ریحان فخری، شہاب الدین (گورکھپور)، ابوسعد (بلریا گنج)، سفیان مخدومی، ظفر (کوہنڈا)، ابرار ابن مرحوم قاری قربان احمد، مرحوم ذوالفقار اور جونیر وسیم (ککرہٹا) والی بال کے اچھے ڈفنسر تھے۔ مجبی عاصم ، حافظ اعظم اور حافظ جاوید (سون بزرگ) اچھے ریزر اور hitter تھے۔ سینئر طلبہ میں بھائی زبیر (ککرہٹا)، خلیل (بمہور)، عمران (سنجرپور)، نظام الدین (بستی)، عبدالواحد اور طفیل (نصیرپور)، محمود (علاؤالدین پٹی) اور جاوید سلطان صاحبان خاصی شہرت رکھتے تھے بلکہ ان میں سے بعض حضرات ایک ماہر اور دھاکڑ کھلاڑی کی حیثیت سے بھی ابھرنے میں کامیاب ہوئے اور اپنی پہچان بنائی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور دوسرے اداروں میں اسپورٹس کوٹے میں داخلہ لیا اور نام کمایا۔

قوتِ بازو والی بال کا مرکزی نکتہ ہے۔ اٹیک لائن کی دونوں جانب بزورِ قوت بال کو مدمقابل کے پالے میں ڈالنا اور اسی زورِ بازو کے سہارے حملہ آور ٹیم کے وار کا دفاع کرنا یا ان کے روبرو اپنی مدافعانہ قوت کا اظہار اس کھیل کی روح ہے۔ ورزشی نقطۂ نظر سے اس طرح صد فیصد افادی اسپورٹس

ہونے کے باوجود مدرسہ کے ضابطے کی رو سے کسی ٹیم کو باہر جا کر کسی مقابلے میں شرکت کی اجازت نہیں تھی، تاہم کئی دفعہ چوری چھپے والی بال کی ٹیمیں اعظم گڑھ کے قرب وجوار اور مضافات کے مقابلے میں شریک بھی ہوئیں اور ٹرافیاں بھی لائیں تاہم کانوں کان اس کی بھنک اساتذہ اور انتظامیہ کو نہیں ملنے پاتی تھی۔ یاد ہے کہ نوتعمیر بچوں کے ہوسٹل کناڈا (موجودہ طیبہ منزل) کے عقب میں سڑک پار کر کے پورب کی جانب خالی جگہ (اس وقت یہ جگہ خالی تھی) پر بلریا گنج میں والی بال کے شیدائیوں کا میلہ لگتا تھا جس میں مقامی اور قرب وجوار سے والی بال کے کھلاڑی سورماؤں کے علاوہ فلاح کے طلبہ کی بھی خاصی دھاک تھی۔ یہ عبدالواحد، محمود اور طفیل صاحبان کی اٹھان کا زمانہ تھا۔ بلند نگاہ رکھنے والے ہمارے یہ بھائی اقبال کے استعارہ ''پلٹنا جھپٹنا، جھپٹ کر پلٹنا'' کے راست نمائندے تھے۔ لامبے قد کے یہ مشاق کھلاڑی قوی الجثہ بھی تھے اور کھیل کی اخلاقیات سے آگاہ بھی، بال کو نیٹ کی دوسری جانب مدمقابل کے پالے میں ڈھکیلتے وقت میدان میں بجلی کوندنے کا احساس گزرتا تھا۔ مخالف ٹیم کی غفلت اور ان کی چوک سے فائدہ اٹھانے میں وہ طاق تھے۔ ان کے وار سے بسا اوقات مدمقابل کے کورٹ کی مٹی بھی بال کے ہمراہ کئی فٹ تک اوپر آجاتی۔ صدائیں بلند ہوتیں اور تماش بین عش عش کر اٹھتے تھے۔ گھن گرج کا مفہوم دوآتشہ ہوجاتا۔ یہی آب وتاب اس وقت قابل دید ہوتی جب وہ دفاعی پوزیشن سنبھالتے۔ مخالف وار کا دفاع کرتے ہوئے ان کے دست وبازو ''بنیان مرصوص'' ثابت ہوتے تھے، ہاتھوں کا یہ حصار دفاعی نظام میں اتنی توانائی بھر دیتا کہ بال عموماً اس چٹان سے ٹکرا کر بے اثر ہوجاتی تھی۔ غالب ہوتے تو ان کی مدح میں ''روز ایک تازہ قصیدہ نئی تشبیب کے ساتھ'' رقم کرتے اور عشق کا علاقہ ڈومنی سے ہمارے بھائیوں کے تاریخ ساز کھیل کی طرف منتقل کر لیتے۔ انتقالِ محسوسات و معانی کا یہ فریضہ مجھ جیسے کوتاہ قلم کے بس کا روگ نہیں، نہ مجھے لفظوں میں شرارے بھرنے کا ہنر آتا ہے اور نہ مجھ سے جملوں میں مہدی افادی کا رومان ہی ممکن ہے۔ شوقِ دل کا پیمانہ بڑھاؤں تو کہنے دیجیے کہ ہمارے کھلاڑی بھائیوں کے ہاتھوں اور کلائیوں کی سحر طرازی میں رزمیہ اشعار کا جنون پرور طنطنہ اور بپھری موج کی طغیانی کا احساس گزرتا تھا۔ وجد کے اس عالم میں چہار سو اٹھنے والے چھبتے مدحیہ فقرے اور تماشائیوں کی برمحل داد کا لطف، کیا کہنے! اس پر مقامی خو بو اور بولی کا تڑکہ داد اور لطف کو دوبالا کر دیتا تھا۔ فلاح سے نکلے تو فراغت نے ہم سے دامن جھاڑ لیا ایسے کہ پھر کبھی یہ میسر نہ آئی اور نہ فلاح کی جلوہ

سامانیاں ہی دیکھنے کو مل سکیں۔ والی بال کے باب میں سابقون الاوّلون کھلاڑیوں میں مکرمی فضیل احمد فلاحی، استاذی مولانا طاہر مدنی اور عبدالعظیم ہلالی کا نام سننے میں آیا۔

اسکول اور کالج کے جدید نظام میں آج اسپورٹس کی اہمیت کا اندازہ کھلاڑی طلبہ کی تربیت اور کوچنگ پر صرف ہونے والے بجٹ سے بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔اسکول، کالج یا اعلیٰ پیمانے پر جامعات میں یہ باقاعدہ ایک خود مکتفی شعبہ ہے، جہاں بچے اپنی فطری صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہیں اور آگے بڑھتے ہیں۔ مدارس کے نظام میں اسپورٹس کا نہ کوئی مستقبل ہے اور نہ ہی طلبہ کے لیے اس محاذ پر کوئی حکمتِ عملی، بلکہ مدرسے کا نظام بڑی حد تک اسپورٹس کو Discourage کرتا ہے۔فلاح کے اپنے زمانے کے اچھے کھلاڑیوں کے ضمن میں گمان گزرتا کہ ہم نے اپنے طلبہ کی بہترین اسپورٹس صلاحیت (Sports Potential) کو پنپنے نہیں دیا بلکہ ضایع کیا ہے۔ البتہ فلاح میں طلبہ کو حسبِ خواہش اسپورٹس سرٹیفکٹ دیا جاتا تھا، جو ہمارے نامۂ اعمال میں بس ایک اضافہ تھا۔اس سے کسی نے متعلقہ کھیل میں ہمیں ماہر سمجھنے کی الحمدللہ کبھی غلطی نہیں کی۔اس حوصلہ شکن صورتِ حال کے باوجود علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں فلاح کے بعض طلبہ کا داخلہ اسپورٹس کوٹے کے تحت ہو پانا کسی معجزے سے کم نہیں۔اس میں انفرادی کوششوں کو زیادہ دخل تھا۔ وہ مطلوبہ اسپورٹس امتحان کے بعد منتخب ہونے والے طلبہ تھے، جو فلاح میں خودرو پودے کی طرح ناتراشیدہ اور غیر تربیت یافتہ تھے۔فلاح میں ہر سال اور ہر بیچ میں ایسے طلبہ بہ آسانی تلاش کیے جاسکتے ہیں جن کا کیریئر اس میدان میں روشن ہوسکتا ہے۔عمومی حیثیت سے مدارس میں طلبہ کے اس جذبے کو قابل اعتنا خیال کیا جائے تو نتائج یقیناً زیادہ ثمر آور ہو سکتے ہیں۔اس کا افسوس تو بہر کیف رہے گا کہ علی گڑھ میں اچھے کھلاڑی کا جو لحاظ بعد میں دیکھنے کو ملا اس کا بھرم فلاح کی زندگی میں مفقود ہے۔

فٹ بال کا کھیل اوائل ہی سے فلاح کی اسپورٹس لائف کا اہم حصہ رہا ہے۔اس حوالے سے فلاح میں آسام کے مرحوم عبدالرزاق فلاحی نشانِ منزل تھے، جن کے روشن کارناموں کا تذکرہ اس وقت ان کے مداحوں کے ذہن میں باقی تھا۔ان کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ مثالی بورڈنگ کے سامنے والی سڑک سے وہ براہ راست فٹ بال اپنے کمرے میں داخل کردیا کرتے تھے۔درمیانے قد کا یہ انسان فٹ بال میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ان کے کارناموں کی بہت سی غیر مصدقہ باتیں ہم تک پہنچیں۔

مثلاً یہی کہ مرحوم ہندوستان کی قومی فٹ بال ٹیم کا حصہ تھے وغیرہ وغیرہ البتہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فلاح میں فٹ بال کی روایت ہمیشہ مستحکم رہی ہے۔ ماضی میں جھانکیں تو سینٹر سے مولانا سلامت اللہ صاحب، بیک سے مولانا ظفر صاحب، مولانا صباح الدین ملک، محمد اسلم گیاوی، فیض الرحمٰن، سمیع احمد ایوبی، محمد احمد سیوانی فلاحی، محمد یعقوب فلاحی، مولانا اسمٰعیل فلاحی صاحبان فٹ بال کے میدان میں متحرک نظر آئیں گے۔ یہ حضرات بڑی پابندی سے فٹ بال کھیلتے تھے۔ اس زمانے میں بنگال کے طلبہ فٹ بال کے سب سے اچھے کھلاڑی سمجھے جاتے تھے۔ بنگالی طلبہ کے نمایندہ فٹ بال کھلاڑی کے طور پر جناب عبدالمبین صاحب کا نام ہم تک پہنچ سکا ہے۔

ہمارے زمانے میں بھائی مزمل حسین، انجم گیاوی، نوشاد گیاوی، عبداللہ بلیاوی، عامر اصغر، مشتاق بستوی، شوکت کانپوری، منظور گیاوی، شہید الحسن آسامی اور خالد آسامی، سیف الاسلام، شمشاد سیوانی، زرتاج، صداقت حسین، ہزاری باغ سے ایک میرے ہم جماعت نسیم اور ایک جونیر نسیم، نیپالی ٹیم کے احباب میں الیاس نیپالی، حفاظ الدین، عبدالرزاق نیپالی، عمر نیپالی، نذر الحسن نیپالی، حسن نیپالی صاحبان اور اثری برادران (عبدالبر اثری، احسن الاثری) صاحبان کا شمار فٹ بال کے اچھے کھلاڑیوں میں ہوتا تھا۔ فٹ بال کے میدان سے اس وقت کئی یادیں ذہن پر دستک دے رہی ہیں، ان میں برادرم شمشاد سیوانی کا انوکھا انداز بھولے نہیں بھولتا۔ موصوف کی ٹیم کا کوئی کھلاڑی بال لے کر آگے بڑھتا تو ان کی زبان پر ''بہت خوب، بہت خوب'' کا کلمہ جاری ہوجاتا تھا۔ اسی عالم میں وہ گول کی طرف لپکتے اور اس تاک میں رہتے کہ بال انھیں پاس کر دیا جائے۔ اس اثنا میں بال اگر دوسری ٹیم کا کوئی کھلاڑی اچک لیتا تو معاً زبان گنگ ہوجاتی اور چہرہ فق ہوجاتا بلکہ ان کے سراپا وجود پر تاسف اور تحیر کے باہم امتزاج کا کچھ ایسا سماں چھا جاتا گویا کسی نے ان سے ان کی کڈنی ادھار مانگ لی ہو یا اسرافیلؑ نے اپنے صور سے قیامت کا اعلان کر دیا ہو اور زندگی درہم برہم ہو کر رہ گئی ہو۔ اخی شمشاد سیوانی اچھے طالب علم کی طرح فٹ بال کے اچھے کھلاڑی بھی تھے، جن کے دم سے میدان میں رونق رہتی تھی۔

سالانہ کنونشن کے موقعے سے فلاح میں اولڈ بوائز اور موجودہ زیر تعلیم طلبہ میں فٹ بال مقابلے کی شاندار روایت رہی ہے، جس میں عام طور پر موجودہ نوجوان ٹیم فتح یاب ہوتی ہے۔ تاہم ۱۹۹۰ یا اس کے آس پاس فٹ بال کے ایک دل چسپ مقابلے میں یہ کامیابی اولڈ بوائز کے کھاتے میں بھی آئی۔

استاذی مولانا اسمٰعیل فلاحی صاحب کے برادرِ نسبتی محمد احمد فلاحی اور محترم یعقوب فلاحی صاحبان نے یکے بعد دیگرے دو گول داغے اور تاریخ لکھ دی۔ ہمارے زمانے میں اسی قدیم اور جدید ٹیم کی مقابلہ آرائی میں میرے بڑے بھائی عامر اصغر نے اولڈ بوائز کے خلاف ایک شان دار گول کیا۔ یہ ایک یادگار مقابلہ تھا جس میں مدمقابل ٹیم میں غالباً اڑیسہ کے بھائی مزمل حسین بھی شریک تھے۔ وہ ایک اچھے کھلاڑی تھے، جن کی دھاک ہمارے زمانے میں قائم تھی۔

فلاح میں بیڈمنٹن زیادہ معروف گیم نہیں تھا اور نہ ہی یہ ہر خاص و عام کی دست رس میں تھا۔ نہ معیار تھا اور نہ اس پر کوئی توجہ۔ بیڈمنٹن کورٹ جیسے بنیادی وسائل بھی میسر نہ تھے۔ یہ طلبہ کے بعض گروہ کے محض انفرادی شوق اور کوششوں تک محدود تھا۔ مودودی ہاسٹل یا مثالی بورڈنگ کے صحن میں کونے کی جانب مولانا اقبال احمد قاسمی صاحب کے کمرے کے سامنے نیٹ لگا کر اسے آراستہ کیا جاتا تھا۔ مولانا اسمٰعیل صاحب کے زمانے میں رام پور کے حافظ عرفان شمسی صاحب کا نام آتا ہے۔ ہمارے زمانے میں جناب شمشاد سیوانی اور گاہے بہ گاہے استاذی مولانا اظہار احمد فلاحی صاحب اس میدان میں فعال دیکھے گئے۔

برادرم راشد حامدی فلاحی سے مروی ہے کہ ۸۰ کے آس پاس فلاح کی اسپورٹس لائف میں ''ہاکی'' کا ورودِ مسعود ہوا۔ اس کی بنا برادرِ موصوف نے خود اپنے ہاتھوں رکھی لہٰذا وہ فلاح میں ہاکی ٹیم کے کیپٹن بھی رہے جب کہ اس سے پہلے وہاں ہاکی کا تصور ناپید تھا۔ اس کے ابتدائی خد وخال وضع کرنے میں حامدی صاحب نے بڑی محنت کی، باہر سے رولر لا کر فلاح کے موجودہ باب الداخلہ کے بائیں طرف میدان کو ہاکی فیلڈ کے طور پر ہموار کیا، اکرم مہدی، مبارک حسین مہدی، عبداللہ مرزاپوری اور تسنیم حیدر جیسے اپنے دوست واحباب محبانِ ہاکی کو اپنی مہم میں شامل کیا اور ہاکی کو فلاح میں کھیل کود کا حصہ بنایا، تاہم حیرت ہے کہ قدما کی اس ادائے خاص کی سن گن کبھی ہمارے کانوں میں نہ پڑی۔ حامدی صاحب کے بقول ہاکی فلاح سے ان کی فراغت کے ایک آدھ سال بعد ہی وہاں سے رخصت ہوگئی، اس طرح کہ ہمارے زمانے میں اس کا نہ کسی زبان پر ذکر تھا اور نہ اس کی روایت ہی کا کسی کو علم تھا۔ لہٰذا اس کے اعادہ کی کبھی نوبت ہی نہ آئی۔ اسی لیے اس کھیل کی تمازت کے احوال بھی لکھنا ممکن نہیں۔ تاہم اس کی گرمی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے بزرگ بھائی کیپٹن حامدی صاحب کا داخلہ جامعہ ملیہ میں ہاکی کھیل کوٹے میں ہوا۔

ہندوستانی کھیل ''کبڈی'' کی شروعات غالبًا موجودہ تامل علاقوں میں ہوئی، جو رفتہ رفتہ پورے ملک میں پھیل گئی۔ فلاح میں موسم برسات میں کھیل کود کی عام سرگرمیاں جب تقریباً معطل ہوجاتی تھیں تو 'کبڈی' کا معرکہ گرم ہوتا تھا۔ عامر اصغر، عطاء الرحمٰن، غیاث الدین، ساجد ہلدوانی، افضال حسین، خورشید فریہا، اسعد ادریس، رئیس کامل، صابر شبیبی ہمارے عہد کے فلاح میں اس میدان کے شہسوار تھے۔ کبڈی سے رئیس کامل کا کمٹمنٹ ایمان ویقین کی سرحد میں داخل ہو چکا تھا۔ صفِ اول کے نمازی کی طرح اول وقت میں میدان میں رئیس کی حاضری لازمی تھی۔ بسا اوقات بخار کی حالت میں بھی اس کے شوق کے انگارے میدان میں دہکتے دکھائی دیتے تھے۔ کبڈی اور شاعری اس کی کمزوریاں تھیں، عام گفتگو میں اس کے لہجے کی نرمی سے کبڈی میں اس کی سخت کوشی کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ شاعری میں اس کے الفاظ کومل اور کبڈی میں اس کے تاؤ میں بلا کی گرمی تھی۔ چھریرے بدن والے بھائی عطاء الرحمٰن کے مزاج کو برق اور رعد سے بڑی نسبت تھی۔ نظر بچا کر وہ مخالف ٹیم کے کھلاڑی کی ٹانگ اس سرعت سے تھام لیتے کہ ان کی یہ ترکیب عام طور پر سان وگمان سے بالاتر ہوتی تھی۔ تماشائی عالم استعجاب میں غوطہ لگانے پر مجبور ہوجاتے۔ دونوں ہاتھوں سے تالی بجاتے ہوئے بھائی صابر شبیبی کا منفرد انداز اور محبی شمشاد حسین بجنوری کا بے ساختہ اسلوب، جس پر عموماً مرگی کا دورہ پڑنے کا گمان گزرتا تھا، پیچ پر تحیرات کو دعوت دیتے تھے۔ بزورِ قوت غیاث الدین بھائی کے کلائی پکڑنے کا اچھوتا انداز عموماً مدمقابل کو بے بس کر دیتا تھا۔ بھائی ساجد ہلدوانی کھلاڑیوں کے غول کو پھلانگ لگا کر پالا چھونے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ ایک معرکے میں بھائی عطاء الرحمٰن نے موصوف کی ایک ٹانگ اس وقت تھام لی جب وہ مخالف ٹیم کو چرکہ لگا کر خلا میں اچھلتے ہوئے اپنے پالے کی جانب رواں تھے۔ اس ادائے دلبری نے ان کی ناک کا زاویہ بگاڑ ڈالا لیکن ''بھائی ساجد تو کچھ دیوانے تھے!''، باز نہیں آئے اور نہ شوقِ دیوانگی مجروح ہوئی۔ بھائی یاسین پٹیل بھی کچھ دنوں طرحِ خاص میں دیکھے گئے لیکن وہ کوئی لیکھ بنانے سے قاصر رہے تاہم کبڈی کے میدان پر میرے بڑے بھائی عامر اصغر نے اپنی کامرانیوں کے اتنے نقوش چھوڑے ہیں کہ اقبال کے شاہین اور اس کی گرم بازاری کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ ان کی کبڈی جوش، ادا، قوت، حوصلہ اور بلند نگہی کا مرکب تھی۔ پیش قدمی میں بلا کی گرم بازاری تھی تو کہیں مدمخالف کے نرغے میں جان بوجھ کر خود کو ڈالنا اور وہاں سے فاتحانہ انداز میں پھلانگتا ہوا ان کا ہر دل عزیز انداز دادطلب ہوتا تھا۔ تالیاں بجتیں اور شور بپا ہوتا۔ وہ کبڈی کے بہترین ایتھلیٹ تھے۔

کبڈی کے حوالے سے سنبھل گروپ کے سورماؤں کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے۔جسمانی طور پر یہ طلبہ بڑے مضبوط اورقوی ہوتے تھے۔بھائی مشیر تو خیر سرغنہ تھے،جونیر میں مجاہد سنبھلی اور شمشیر سنبھلی کے علاوہ ذہن میں اب کسی کا نام محفوظ نہیں رہا تاہم ان کے ذکر کے بغیر یہ حکایت ادھوری سمجھی جائے گی۔ اسی سیاق میں بدایوں کے للوں کو بھی یاد کرتے چلیں بطورِ خاص بھائی عبدالجلیل اور ربیع الحسن کے نامِ نامی سے فلاح میں کبڈی کے باغ و بہار کھیل کا تصور وابستہ ہے۔مختار اور سلامت اللہ (کوہنڈا) اور بھائی شبیر گیاوی بھی کبڈی کے لائقِ اعتنا کھلاڑی تھے۔گاؤں اور مضافات میں بھی فلاح کی کبڈی ٹیم کی دھوم تھی۔کھیل کے میدان پر جس طرح کے آداب ملحوظ رکھے جاتے تھے،وہ صرف فلاح کا حصہ تھا۔ٹیم کی توانائی، آمادگی، نظم وضبط،قوت برداشت، مدافعانہ صلاحیت اور جذبے کو دیکھ کر روزانہ یہی گمان گزرتا تھا کہ آج ہمارے کارناموں کا دن ہے۔درست خطوط پر فلاح کی کبڈی ٹیم تشکیل دی جاتی تو یہ ناقابلِ تسخیر ٹیم بن کر ابھرسکتی تھی۔ کیونکہ نہ حوصلے کی کمی تھی اور نہ اسپورٹ مین شپ (Sportsmanship) کی۔نمازِ مغرب سے دس پندرہ منٹ پہلے ٹیم میدان سے رخصت ہوجاتی تھی تاکہ نماز قضا نہ ہو اور اس سے پہلے نہا دھولیا جائے۔

فلاح کی چہار دیواری میں ’’شاہ کبڈی‘‘ سے موسوم ’’بڑھیا کبڈی‘‘ اب عہد رفتہ کی داستان کا حصہ بن چکی ہے۔ہماری نئی پیڑھی غالباً نام اور اس کی اخلاقیات سے بھی نابلد ہوگی اس لیے اس کی یاد کی شمع جلاتے ہوئے بس اتنا عرض ہے کہ ہماری بیشتر قدروں کی طرح یہ بھی ہندوستان کی اسپورٹس تہذیب کا زائدہ تھی۔مرحوم اب تاریخ کے دفینے میں کہیں روپوش ہے اپنے تمام اصول وآداب کے ساتھ۔اس کی جستجو میں ہم نے تاریخ کے اوراق پلٹے لیکن مایوسی ہاتھ آئی،اب یہ کام نئی نسل کے حوالے کہ اسے اپنے بزرگ اساتذہ کے سینوں میں تلاش کیجیے۔

’’چکّہ‘‘ بھی فلاح میں جسمانی تنومندی کا ایک ہندوستانی کھیل تھا۔دونوں ہاتھوں کو پیروں کے نیچے سے نکال کر گردن میں حمائل کرتے ہوئے انگلیوں کے سہارے اسے باندھ لیا جاتا تھا اور پھر دونوں پیروں کی کرم فرمائیاں مدمخالف پروار اور یلغار کی صورت میں کی جاتی تھیں۔عام حالات میں یہ کھیل خاصا دہقانی خوبو کا حامل تھا اور قدرے تہذیب ناآشنا بھی۔غالباً اپنے اسی کھردرے سیاق میں یہ ہمیشہ انتظامیہ کی ناپسندیدگی کا شکار رہا۔فلاح میں ہماری آمد سے تقریباً کافی پہلے یہ بھی اپنی بساط سمیٹ چکا تھا۔

کرکٹ انتظامیہ کی نظروں میں ہمیشہ معتوب رہا۔طلبہ کو اس کھیل کی اجازت نہیں تھی بلکہ

بسااوقات اس امر میں سختی سے بھی کام لیا جاتا تھا۔ بنارس کے ہمارے ایک جونیر طالب علم کی آنکھ میں زبردست چوٹ آئی بلکہ غالباً اس کی ایک آنکھ بھی جاتی رہی تو گویا اس حادثے نے گھی پر نمک پاشی کردی، سختی دفعہ ۱۴۴ میں بدل گئی ،اب کسی ذی روح کو دم مارنے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن زخم مندمل ہوتے ہی حالات کے جبر کو اپنے حق میں مفید بنانے والے سیانوں نے دھیرے دھیرے ہاتھ پیر پسارنا شروع کیے اور کرکٹ پھر دھان کے کھیتوں اور نوآباد فلاحی کالونی سے متصل قبرستان میں شروع ہوگیا۔ یہ کبھی کلیتاً رکا نہیں لیکن چونکہ انتظامیہ اس کے ہمیشہ درپہ رہی لہٰذا یہ حقیقی برگ و بار سے محروم رہا اور طلبہ کے بعض انفرادی گروہ کے دائرے سے باہر تقریباً غیر موثر بن کر رہ گیا۔ اس کی ذمے دار کرکٹ کی حدِ اخلاقیات سے متجاوز موجودہ جنونی مقبولیت بھی کہی جاسکتی ہے، جو قومی شعور اور زندگی کو بسااوقات منجمد کردیتی ہے۔ علاوہ ازیں اس کھیل میں جسمانی ورزش کی اقل ترین حصہ داری بھی ایک اہم سبب ہے۔

صحت وتندرستی کے باب میں البتہ طلبہ کی انفرادی کوششیں ہمارے عہد کے فلاح کا ایک زریں باب ہے۔ اسے ذاتی کسرت اور ورزش کاری کے نظام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ دوڑنا ایک اہم مشغلہ تھا۔ بعض احباب تو بسااوقات ہرّا کی چنگی تک دوڑتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ انھیں فلاح تک واپسی میں گاڑی لینی پڑتی تھی۔ فجر کی نماز کے بعد ہنگائی پور تک دوڑ لگانا معمول کی بات تھی۔ بعض احباب نے جس میں راقم کی دل چسپی بھی تھی، مکے اور گھونسے کو مضبوط بنانے کا دیسی طریقہ ایجاد کر رکھا تھا، اپنے کمروں اور کبھی نو تعمیر شدہ کلاس کی عمارتوں میں بورے میں بالو بھر کر ہم اس پر مشق کیا کرتے تھے۔ بھائی رشید پہلوان صاحب کے کمرے میں مگدر رہوا کرتا تھا۔ یہ وہی مگدر ہے جسے عرف عام میں قوت کی علامت کے طور پر شری ہنومان جی کے ہاتھوں میں دیکھا جاتا ہے۔ یہ خاصا دیسی نوعیت کا تھا۔ پندرہ سترہ کلووزن کا یہ اوزار ایک مضبوط لاٹھی میں سیمنٹ کو جما کر تیار کیا گیا تھا۔

اسپورٹس کی انفرادی کوششوں کے ضمن میں اخی المکرّم راشد حامدی فلاحی سے مروی ہے کہ ''ایک بار برادرم محمد محفوظ فلاحی اور عبداللہ مرزاپوری کے درمیان باکسنگ کا زبردست مقابلہ ہوا تھا''۔ برادرم محفوظ فلاحی صاحب نے اسے سرے سے خارج کیا البتہ انھوں نے بتایا کہ کلکتہ کے نورالامین صاحب کو ذاتی طور پر باکسنگ سے دلچسپی تھی، چنانچہ اس حوالے سے کچھ طلبہ ان کے ساتھ دیکھے جاتے تھے، جنھیں وہ باکسنگ کی چھوٹی موٹی تربیت بھی دیا کرتے تھے۔ یہ کوشش بھی خاصی انفرادی نوعیت کی

تھی۔اسی طرح بعض شہری طلبہ نان چاقو سے بھی شوق فرماتے تھے۔ویٹ لفٹنگ کا دیسی ورزشی اوزار حیرت انگیز بھی تھا اور قابل تعریف بھی۔سیمنٹ کے کچے مسالے کو یکساں تناسب اور وزن سے زمین میں جما کر درمیان میں سوراخ کر دیا گیا تھا۔اس میں لوہے کی چھڑ ڈال کر ویٹ لفٹنگ کی ہماری منشا کی تکمیل کی جاتی تھی۔یعنی اسپورٹس اسپرٹ کی کمی نہ تھی لیکن جذبے کے بقدر پیمانہ میسر نہیں تھا۔یہ دراصل ہمارے نظام اور اس کی ترجیحاتی بے بضاعتی کا قصہ ہے، نہیں تو یہ کوئی ایسا بڑا معاملہ بھی نہیں تھا۔

علی الصباح نل کے تازہ پانی سے غسل کرنا بھی ہماری جسمانی صحت مندی اور اس کے جامع تصور کا حصہ تھا۔یہ آفاقی اصول جب بھی ہمارے دلوں پر دستک دیتے تو ہمارے کئی احباب کشاں کشاں اس صحت افزا فارمولے پر عمل پیرا ہونے لگتے تھے لیکن بہت جلد فجر کی بادِ صبا میں ہمارے اصولوں کی دھجیاں اڑنے لگتیں اور رفتہ رفتہ ہمارے اصول گرم لحافوں میں گم ہو کر رہ جاتے تھے۔

اسلامی تصورِ حیات میں زندگی کا کوئی مرغوب ترین پہلو بھی مقصود بالذات نہیں ہوتا۔کھیل کود بھی صحت اور اعضائے جسمانی کے استحکام کا محض ایک پڑاؤ ہے، جو اصل مقصد کے حصول میں معاون ہے لیکن یونانیوں کی طرح مرکز زندگی نہیں۔کھیل خواہ قومی یا بین الاقوامی اہمیت کا حامل ہی کیوں نہ ہو، اسلام زندگی کے سارے نظام کو پس پشت ڈال کر اسے مجنونانہ انداز میں اپنانے کی اجازت نہیں دیتا۔مسیحیت نے یونانیوں کے حد سے متجاوز اسپورٹس جنون کو بلا شبہ کم کیا لیکن لادینی مغربیت کے ہاتھوں اس کی لو پھر تیز تر ہوگئی ہے، مدارس میں طلبہ کو اس لپک سے دور رکھنا ہوگا۔غالب قومیں زندگی کے کسی بھی انتہائی افادی پہلو کے دام میں نہیں آتیں بلکہ اس پہلو کو اپنے اعلیٰ مقاصد کے تابع رکھتی ہیں۔مدارس میں اسپورٹس کا مطلوبہ پیمانہ اور وہاں کے طے شدہ نصابی تقاضوں سے غیر تدریسی سرگرمیوں کی ہم آہنگی وغیرہ ایسی جہات ہیں جو ہماری توجہ چاہتی ہیں۔طلبہ کی تعمیر کی یہ بھی ایک موثر صورت ہے۔تغافل کی انتہا بہر کیف یہ نہیں ہونی چاہیے کہ طلبہ اور طالبات کی ایک قابل لحاظ تعداد کی جسمانی تنومندی پر ایک مستقل پی۔ٹی ٹیچر کا تقرر بھی عمل میں نہ لایا جائے۔اسپورٹس ٹیچر کے نام پر ماسٹر جاوید صاحب کا تقرر محض خانہ پری ثابت ہوا۔ماسٹر صاحب اتنے امور میں عملاً شریک کیے گئے کہ اسپورٹس سسٹم اپنی ثانوی حیثیت سے آگے نہ بڑھ سکا۔ایسی صورت میں صحت مند تعلیمی نظام کا تصور کن معنوں میں صحت مند کہلائے گا۔اسپورٹس تعلیم اور اچھی صحت کا جوہر ہے۔ملک کو درپیش صحت کے نت

نئے مسائل کے تناظر میں حالیہ 'قومی اسپورٹس ڈے' (مورخہ ۲۹/اگست ۲۰۱۹) کے موقع پر ملک کے وزیر اعظم کے ذریعہ اپنی روزمرہ زندگی میں جسمانی سرگرمیوں اور کھیلوں کو شامل کرنے کی حوصلہ افزائی کے لیے ''فٹ انڈیا مہم'' کا آغاز ایک اہم قدم ہے۔ یہ 'مہم' مثبت اور صحت افزا تبدیلیوں کے لیے عوام کی حوصلہ فزائی کرتی ہے۔ ازیں قبل پراچین بھارت کال کے بطن سے معاً ''یوگا اور یوگ شاستر'' باہر نکلا۔ ۲۱/جون ۲۰۱۵ کو 'عالمی یومِ یوگا'' کے طور پر منایا گیا۔ گویا دنیا اب تک ایک ایسے علم سے محروم تھی، جو جسم، دماغ اور روح کی تسخیر کا سامان کرتا ہے۔ طمانیت، سکون اور خود اعتمادی کا جویا ہے اور انتر شکتی کو بیدار کرتا ہے۔ دنیا کے سامنے اس کے تصوراتی اور نظریاتی دروبست پر جو باتیں کی گئیں وہ دیدہ دلیری سے زیادہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ حیرت اس پر نہیں کہ اغیار اپنے خاصے دھندلے بلکہ پامال اور بعض معنوں میں زندگی کے نامعقول رویوں کی شیرازہ بندی اور اس پر نظامِ زندگی کا ملمع چڑھا کر پیش کرنے میں مصروف ہیں بلکہ مقامِ عبرت تو دراصل ہمارا وہ رویہ ہے، جو ایک جامع اور مربوط نظامِ حیات کے گرد ہماری غفلت کا ہالہ بنا ہوا ہے۔ اب حضرت حفیظ میرٹھی کا یہ شعر سنئے اور حالات کی نزاکت کا اندازہ لگائیے۔ ع

بادباں آنکھیں ملے انگڑائی لے آواز دے
اتنے عرصے میں تو اپنا کام کر جاتی ہے آگ

گزرگاہِ وقت سے ہماری ترجیحات میں تبدیلی کے صاف اشارے مل رہے ہیں۔ فکری توانائی کے ساتھ جسمانی محاذ بھی ہماری توجہ چاہتا ہے۔ روح اور جسم کے اتصال سے ہماری مدافعانہ قوت یقیناً ثمر آور ہو سکتی ہے بشرط صرف ''ادخلوا فی السلم کافة'' کے جامع مفہوم میں مضمر اسلامی تصور حیات کے ایک ایک پہلو کی افادی حیثیت کا ادراک ہے۔

فلاح کے اسپورٹس سسٹم کے حوالے سے یہ معروضات نہ ماضی پرستی ہے اور نہ ان سے حال کی تحقیر ہی مقصود ہے۔ بلکہ یہ ہمارے عہد کا آئینہ ہے، جس میں موجودہ فلاح کے اسپورٹس کلچر کا چہرہ بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔ جامع نظام کا تصور اس کی تمام تر جزئیات کی صحت مندی سے وابستہ ہے۔ کھیل کود جیسے حساس پہلو کی قدر شناسی دراصل نظامِ فلاح کی صحت مندی ہے۔ اہل نظر انتظامیہ سے یہ نکتہ کبھی پوشیدہ نہیں رہا۔ ہمارے عہد کے فلاح میں تو بالکل بھی نہیں!

گزارش

حیات نو کو ڈاک کے نظام کے تحت لانے کی کوشش جاری ہے۔ ان شاء اللہ اس بات کی پوری کوشش کی جارہی ہے کہ آپ کو وقت پر اور پابندی کے ساتھ پرچہ موصول ہو۔

مجلّہ اس وقت شدید خسارے میں ہے۔ آپ خود بھی اس کے سالانہ خریدار بنیں اور دیگر احباب کو بھی اس جانب متوجہ کریں۔

قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے حیات نو کا کوئی بینک اکاؤنٹ نہیں ہے۔ فی الحال درج ذیل اکاؤنٹ میں اپنا سالانہ خریداری تعاون جمع کر کے درج ذیل واٹس اپ نمبر پر مکمل تفصیلات کی اطلاع دینے کی زحمت کریں۔ ان شاء اللہ رسید ای میل یا واٹس اپ کے ذریعہ آپ تک پہنچادی جائے گی۔ اکاؤنٹ کی تفصیل درج ذیل ہے:

Name:Abdul Hakim Mojahid

Bank: Union Bank of India

A.C No:584502010009509

IFSC:UBIN0558451

Branch:Jamia Nagar

مزید معلومات کے لیے درج ذیل ای میل اور موبائل نمبر پر رابطہ کریں:

ای میل:jareedahayatenau@gmail.com

موبائل:8010803147۔9015958467

[ادارہ]

مولانا محمد عیسیٰ قاسمیؒ کی درخشاں خدمات

(تعلیم وتربیت کے حوالے سے)

محمد افضل فلاحی

۱۰؍مئی ۲۰۱۹ء جمعہ کا دن، رمضان المبارک کی چار تاریخ تھی۔سحری اور نماز فجر کی ادائیگی کے بعد بیشتر لوگ نیند کی آغوش میں جا چکے تھے۔گلیاں سنسان تھیں۔رک رک کر ہلکی ہلکی ہوائیں چل رہی تھیں۔آفتاب اپنی رفتہ رفتہ بڑھتی تمازت کے ساتھ رواں دواں تھا۔سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔لیکن نہ جانے کیوں فضا میں سوز وغم کی سی کیفیت کا احساس ہورہا تھا،اس طرح کے ماحول میں اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو یہ اداسی کئی گنا اور بڑھ جاتی ہے۔۸ بج کر ۳۵ منٹ ہونے کو تھا کہ ایک دوست کا یہ فون ''مولانا رحلت فرما گئے''۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔کچھ دیر کے لئے بالکل خاموشی چھا گئی۔بے قرار اور بے چین کردینے والی اس خبر نے پورے جسم کو ساکت وجامد کردیا،ابھی اپنے آپ کو کچھ سنبھالتا کہ باہر کھڑے دوستوں کی آواز کان سے ٹکرائی۔سن کر باہر نکلا اور احباب کے ہمراہ مولانا کے گھر کی طرف چل پڑا،جیسے جیسے ہم لوگ آگے بڑھ رہے تھے،لوگوں کا ہجوم نظر آتا گیا۔عوام کا جم غفیر دیکھ کر زباں پر یہ قطعہ ''موت اس کی ہے جس کا زمانہ کرے افسوس''رواں ہو گیا ۔تعزیت کا یہ سلسلہ دن بھر چلتا رہا۔اسی روز تراویح کے بعد مولانا مرحوم کا جسد خاکی جامعہ سے متصل قبرستان لے جایا گیا جہاں ۱۰:۳۰ بجے نماز جنازہ سابق ناظم جامعہ مولانا ابوالبقاء ندوی صاحب نے پڑھائی۔پھر سوگوار ہاتھوں نے آپ کو سپرد خاک کردیا کہ:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ تیرے گھر کی نگہبانی کرے

مولانا محمد عیسیٰ قاسمی صاحب مرحوم جامعہ کے اولین بانیان میں سے ایک تھے۔ جامعہ کو ایک چھوٹے مکتب سے عالمگیر شہرت کا حامل بنانے میں مولانا کا جو کلیدی رول رہا ہے وہ کسی بھی صاحب بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہے۔ آپ اپنی پوری زندگی کو جامعہ کی خدمت کے لئے وقف کر کے یہ سبق دے گئے کہ کبھی بھی ذاتی ترجیحات کے لئے کام نہیں ہونا چاہئے بلکہ اصل کام تو وہ ہے جو ملت کی فلاح و بہبود، دین کی سربلندی اور آخرت کی سرفرازی کے لئے ہو۔

مولانا مرحوم ۳/جون ۱۹۳۸ء کو مشرقی اتر پردیش کے مشہور و معروف قصبہ بلریا گنج میں پیدا ہوئے۔ والد محترم کا اسم گرامی عبدالاول اور والدہ محترمہ کا زیت النساء تھا۔ آپ جب دو برس کے ہوئے تو ماں کی شفقت سے محروم ہو گئے اور نگہداشت کی ساری ذمہ داری دادی اماں پر آ گئی۔ دادی جان نے آپ کی پرورش بہت ہی لاڈ و پیار سے کی۔ آپ نے اپنے تعلیمی سفر کا آغاز مدرسہ اسلامیہ ''موجودہ جامعۃ الفلاح'' سے کیا۔ ثانوی تعلیم کے لئے مڈل اسکول بازار خاص بلریا گنج میں داخلہ لیا۔ ایک ہنگامہ برپا ہوا کہ وہاں تو مسلمانوں کو ہندو بنایا جا رہا ہے۔ والد صاحب نے اسکول جانے سے منع کر دیا۔ چونکہ مولانا کو تعلیم سے فطری رغبت تھی لہٰذا والد صاحب کے فیصلے سے آپ بے چین ہو اٹھے۔ گھر والوں کی مخالفت کے باوجود چپکے سے احیاء العلوم مبارکپور چلے گئے۔ دو سال میں فارسی کا کورس مکمل کیا۔ بعدہ جامعۃ العلوم جین پور میں ایک سال رہ کر فارسی کی تشنگی کو دور کیا۔ دوبارہ احیاء العلوم واپس آئے اور عربی اول میں داخلہ لیا۔ اپنی ذہانت اور لگن سے ہمیشہ امتیازی نمبرات حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۵۶ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں ایک سال رہ کر احیاء العلوم کے کورس کی توسیع و تکمیل کی۔ واپسی پر احیاء العلوم سے درس نظامی کا بقیہ نصاب مکمل کیا اور ۱۹۵۸ء میں فضیلت کی ڈگری سے سرفراز ہوئے اور اسی کے ساتھ تین صدیوں پر محیط قصبہ بلریا گنج کو پہلا عالم دین بھی میسر ہو گیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جب مولانا وطن واپس آئے تو مدرسہ اسلامیہ ''موجودہ جامعۃ الفلاح'' میں بحیثیت عربی استاد ۱۹۵۹ء میں تقرر ہو گیا۔ آپ پوری دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ درس و تدریس میں منہمک ہو گئے۔ آپ کے تقرر کے وقت مدرسہ میں صرف درجہ پانچ تک کی تعلیم ہوتی تھی۔ مولانا کو اس کا شدت سے احساس تھا کہ بلریا گنج کو اطراف میں مرکزیت حاصل ہے اس لئے یہاں ایک دینی و مذہبی درسگاہ کا ہونا نہایت ہی ضروری ہے۔ اپنی اس فکر کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک خاکہ تیار کیا۔

اس میں رنگ بھرنے کے لئے آپ نے ارکان شوریٰ اور گاؤں کے دیگر متحرک حضرات سے صلاح و مشورہ کیا۔ چنانچہ شوریٰ کے عام اجلاس میں ''مدرسہ اسلامیہ'' کو دینی ادارہ کی حیثیت سے آگے بڑھانے کی ایک اہم تجویز پیش ہوئی۔ ذمہ داران مدرسہ نے محدود ذرائع اور قلت آمدنی کی وجہ سے معذرت کرلی۔ مولانا اپنے فیصلہ پر اٹل رہے۔ کہاں ہار ماننے والے تھے۔ اپنے تعلیمی منصوبے پر غور و خوض کے لئے بار بار ارکان شوریٰ اور ذمہ داران جامعہ تک گئے۔ ان کے ساتھ نشستیں کیں۔ کوئی راستہ نہ نکلتے دیکھ آپ نے مالیات اور اساتذہ کی فراہمی کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ جس پر ذمہ داران مدرسہ نے آگے کے عربی درجات کھولنے کی منظوری دے دی۔

یہیں سے شوق کی بے ربطیوں کو ربط ملا
اسی نے شوق کو بخشا جنوں کا پیرہن

ایسا لگ رہا تھا کہ ۱۹۱۴ء سے کشاں کشاں رواں یہ مکتب ایسے مرد مجاہد کا مشتاق و منتظر تھا جو اسے آکر منزل مقصود کی طرف گامزن کردے۔ مولانا مرحوم اس پر پوری طرح سے کھرے اترے۔ گھاس پوس سے بنی جھونپڑی میں آپ نے اپنے رفقاء کار اور اہل بستی کے ساتھ مل کر علم دین کا چراغ صرف روشن ہی نہیں کیا بلکہ بلریا گنج و قرب جوار میں ملّی ضرورتوں کا ادراک اور تعلیم کے ذریعہ یہاں کی علمی شہرت کو بلندی تک پہنچانے کا جو خواب دیکھا تھا اس کو عملی جامہ پہنانے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ حضرت والا کے پاس وہ آنکھیں تھیں جو خواب دیکھ سکتی تھیں۔ وہ ذہن تھا جو اپنے دلائل کے ذریعہ خواب دکھا سکتا تھا۔ وہ تصور تھا جو خلاؤں کا سفر کر سکتا تھا۔ وہ حوصلہ تھا جو مسائل کے ڈھیر سے وسائل کے قیمتی موتی چن سکتا تھا اور وہ تجسس تھا جو انسانوں کو نئی منزلوں کے سفر پر گامزن کر سکتا تھا۔ چنانچہ بے سروسامانی کے عالم میں مولانا نے ۱۹۵۹ء میں ہی درجہ ششم کا آغاز کیا۔ عربی کتابیں داخل نصاب کیں۔ یہیں سے عربی درجات کا سلسلہ چل پڑا اور ساتھ ہی مکتب کا نام تبدیل کر کے جامعہ اسلامیہ کردیا۔ مولانا نے اس ''ننھے پودے'' کو کھاد پانی ڈالنا شروع کردیا تاکہ جلد از جلد یہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرلے۔ لیکن ذمہ داران جامعہ ہی میں سے کچھ لوگ آگے آئے اور اسے ایک معیاری انٹر کالج بنانے کے لئے غور وخوض شروع کردیا۔ اس بات پر مولانا سے شدید اختلاف ہوگیا اور یہ اختلاف اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ آپ ناراض ہو کر ۱۵/اگست ۱۹۶۲ء کو بحیثیت عربی استاد درسگاہ

اسلامی، مرزا بگان مسجد بیل گچھیا، کلکتہ چلے گئے اور اس ''ننھے پودے'' کی ترقی کی رفتار چند لمحات کے لئے ٹھہر گئی۔

جامعہ سے مولانا کا رشتہ بظاہر کچھ مہینہ کے لئے منقطع ہو گیا مگر ہر زبان پر ان کی باتیں تھیں۔ وہ دور ہوتے ہوئے بھی قریب تھے۔ ان کے نام اور ان کے کام کے نقوش قدم قدم پر جھلک رہے تھے۔ آپ کی تعلیمی استعداد، لیاقت، صلاحیت اور منصوبہ بندی کا اعتراف اب سبھی کو ہو چکا تھا۔ لیکن کر کیا سکتے تھے۔ وقت گذر چکا تھا .... اس قریہ کے معروف ومشہور حکیم محمد ایوب صاحب مرحوم نے روز بروز اپنے مریضوں کی بڑھتی تعداد کو دیکھتے ہوئے ایک اسپتال قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے آپ جیسے مفکر و مدبر کی نظر مولانا موصوف پر پڑی۔ ایک مختصر اور جامع خط ارسال فرمایا کہ۔

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسمان اور بھی ہیں

خط ملتے ہی ۲۲؍جولائی ۱۹۶۲ء کو آپ نے وطن واپسی کا پروگرام بنایا۔ اس احساس کے ساتھ کہ وہاں پر فکر معاش سے آزاد ہو کر اپنے ذوق وشوق کے مطابق کچھ تعلیمی وسماجی کام بھی کر سکیں گے اور اپنے افکار و خیالات کو بروئے کار لا کر کوئی ملی خدمات انجام دینے کا موقع بھی میسر ہو سکے گا۔ چنانچہ آپ نے حکیم محمد ایوب صاحب مرحوم کے یہاں آ کر ایک معتبر معاون کی حیثیت سے کام سنبھال لیا۔ دن بھر اسپتال میں مصروفیت کے باوجود آپ نے خود کو جامعہ کے جملہ امور سے منسلک رکھا۔ یہیں سے جامعۃ الفلاح کے ساتھ آپ کے تعلق کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ جامعہ کی فلاح و بہبود کے لئے حقیقتاً فرد واحد جو کر سکتا تھا وہ آپ نے کیا اور اپنی ٹوٹی پھوٹی صلاحیتوں سے جامعہ کو وہ کچھ دیا جو تاریخ میں دوام حاصل کر گیا۔ اس حقیقت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ جامعہ کو بہت ہی مختصر مدت میں جو ترقی اور شہرت نصیب ہوئی مدارس کی تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس کا سبب جہاں رضائے الٰہی اور اس کا فضل ہے وہیں اولین بانیان کا اخلاص وایثار بھی ہے۔ چنانچہ مولانا کے اوصاف اور اخلاص سے بھرپور سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے ذمہ داران جامعہ نے آپ کے کندھوں پر نظامت کی ذمہ داری ڈال دی، جب کہ اس وقت آپ صرف تینتیس سال کی عمر کو ہی پہنچے تھے۔ اور آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل رہا

کہ ۸/نومبر۱۹۷۲ءکو ناظم جامعہ پہلے منتخب ہوئے، بعدازاں ۲۶/دسمبر۱۹۷۱ءآپ رکن شوریٰ بنائے گئے۔ پھر آپ نے یکم جنوری ۱۹۷۳ء سے باقاعدہ ناظم جامعہ کی ذمہ داری سنبھالی اور مسلسل دو میقات ۷/دسمبر ۱۹۷۹ءتک اس منصب پر فائز رہے، نیز ۱۷/نومبر ۱۹۸۱ءتا ۱۸/اپریل ۱۹۸۲ءتک دوبارہ اس منصب پر فائز رہ کر بحسن وخوبی اپنے فرائض انجام دیا۔ناظم کی حیثیت سے مدرسہ کے عام انتظامی فرائض کے علاوہ اساتذہ کی فراہمی، نصاب تعلیم اور نظام الاوقات پر خصوصی توجہ، شعبہ جات میں نظم وضبط کی پابندی، طلبہ کی نگرانی اور تربیت پر خود ہی نظر رکھتے۔آپ بلا تکلف طلبہ سے ملتے۔ان کے مسائل سنتے، ان کے ساتھ بے انتہا محبت وشفقت کا معاملہ کرتے۔گاؤں میں کہیں سے طلبہ کے متعلق شکایات موصول ہوتیں تو وہیں پر سمجھا بجھا کر معاملہ رفع دفع کردیتے مگر طلبہ کی عزت نفس پر ٹھیس نہ آنے دیتے۔آپ کا معمول تھا کہ مہینہ میں ایک بار تمام طلبہ کو ضرور اکٹھا کرتے۔ان کی کوتاہیوں اور کمیوں پر متنبہ کرتے، مقصد زندگی اور نصب العین کو یاد دلاتے۔انہیں مفید ومؤثر مشوروں سے نوازتے۔جس کے اندر جیسی قابلیت اور صلاحیت دیکھتے اسے اسی طرح کے میدان میں آگے بڑھنے کی تلقین کرتے۔جن اساتذہ کرام کی تدریسی خدمات سے مطمئن ہوتے ان کی حوصلہ افزائی کرتے اور ان کی لیاقت وصلاحیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے سارے جتن کر ڈالتے۔موقع بموقع نظم وضبط کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے۔خود بھی پابندی کرتے اور انہیں بھی پابند رہنے کی تاکید کیا کرتے۔سچی بات تو یہ ہے کہ مولانا کے ساتھ رہ کر آدمی اپنے آپ کو ایک نظم میں پیرویا ہوا محسوس کرتا اور نظام کا اپنے آپ کو پابند بنالیتا۔آپ کی تمام تر سرگرمیوں اور جدوجہد کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ ہمارے مدرسے کا ایک ایک طالب علم صحیح معنوں میں تعلیم یافتہ ہو۔کیونکہ آپ اکثر اپنی تذکیر میں کہا کرتے تھے کہ علم ہی سیرت سازی کی اساس ہے۔علم عظمت انسان اور شرف انسانیت کا آلہ ہے، علم ہی ہر میدان میں ترقی کی راہیں کھولتا ہے، علم کے تئیں غفلت اور کوتاہی برتنے والے رفتہ رفتہ پسماندگی کے شکار ہوجاتے ہیں۔آج ہماری قوم کی پسماندگی وزبوں حالی کی بنیادی وجہ تعلیم سے دوری ہے، چنانچہ اسی احساس کے تحت آپ قصبہ اور اطراف میں اکثر تعلیمی بیداری مہم چلاتے رہتے۔گاؤں گاؤں جاتے، ہر جمعہ کو ایک قریہ کا انتخاب کرتے، وہاں جاکر نماز جمعہ میں خطاب کرتے، وفد کی شکل میں لوگوں سے ملاقاتیں کرتے۔انہیں تعلیمی بیداری کے لئے اکساتے، ضرورتمندوں، یتیموں اور غریبوں کے لئے فنڈ مہیا

کراتے۔بس ہر وقت یہی فکر کہ کسی طرح اس دیار سے تعلیمی پسماندگی ختم ہو اور ایک ایک بچہ تعلیم یافتہ ہو جائے۔غرض کہ آپ نے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور توانائیوں کو جامعہ کی تعمیر وترقی میں صرف کر دیا تھا،کبھی بحیثیت استاد،تو کبھی ناظم جامعہ کے منصب پر فائز ہو کر۔کبھی مرشد اعلیٰ بن کر تو کبھی ایک اچھے منتظم و مربیّ بن کر۔

آپ کے بعد جب مولانا ابواللیث اصلاحیؒ صاحب مرحوم (۱۹۷۹تا۱۹۸۲ء) ناظم جامعہ ہوئے تو فلاح کے تمام تر مسائل اور معاملات میں آپ ہی سے مشورہ کرتے اور آپ کی رائے کو ترجیح دیتے۔ مولانا نے آپ کو کلیۃ البنات کا مرشد اعلیٰ بنا دیا تو نسواں کی پوری ذمہ داری ایک بار پھر آپ کے سر آ گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب کلیۃ البنات کی قدیم عمارت تنگ دامنی کی شاکی ہو گئی تھی۔ذمہ داران جامعہ نے ایک وسیع وعریض کیمپس کا منصوبہ بنایا جس میں ایک خطیر رقم کی ضرورت تھی۔قلت آمدنی کی وجہ سے یہ منصوبہ تشنہ تکمیل ہو کر رہ گیا،لیکن اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں مولانا محمد عیسیٰ قاسمی صاحب مرحوم نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیا جس کی جامعہ کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔آپ نے اس عظیم منصوبے کے مالیات کی فراہمی کی ذمہ داری خود اپنے سر لے لی اور ہر طرح کے حالات سے نپٹنے کے لئے بھی اپنے آپ کو تیار کر لیا۔آپ کی اتھاہ محنت،تگ ودو اور جہد مسلسل سے ۱۹۸۶ء میں کلیۃ البنات کے نئے کیمپس کے لئے قصبہ سے متصل مغربی حصے میں انتہائی قیمتی دس بیگہ سے زائد زمین فراہم ہوگئی۔وہاں پر آج الحمدللہ طالبات کے لئے ایک عظیم الشان کیمپس بن کر تیار ہو گیا ہے۔جسے دیکھ ہر کوئی مسحور ہو کر رہ جاتا ہے۔یہ جامعہ کی خوش قسمتی رہی ہے کہ ہر دور میں ایسے بے لوث نابغہ روزگار فراہم ہوتے رہے ہیں جنہوں نے اپنی شب وروز کی محنت اور عزم وولولہ سے ایسی سنہری تاریخ رقم کی جسے دنیا حیرت سے دیکھتی رہی۔آپ کی رحلت چہار دانگ عالم میں پھیلے تمام لواحقین اور چاہنے والوں کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔مگر سب سے بڑا نقصان جامعۃ الفلاح کا ہوا ہے،کیونکہ جامعہ کی تعمیر وترقی میں سرگرم رہنے والا اور اسکی بہتری کا خواب دیکھنے والا ایک انتہائی مخلص شخص جسے میر کارواں کہیں...... بالآخر کارواں چھوڑ کر دوسری دنیا کا راہی ہو گیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ جب وطن واپس آئے تو اس وقت مولانا مودودیؒ کی اقامت دین کی دعوت بلریا گنج تک پہنچ چکی تھی۔مولوی جنید احمد صاحب مرحوم ساکن اشرف پور کی انتھک کوششوں

سے اس دیار میں ارکان جماعت کی ایک مضبوط ٹیم تیار ہو چکی تھی۔ بعدازاں اس ٹیم کی کمان جب حکیم محمد ایوب صاحب مرحوم نے سنبھالی تو آپ کے شانہ بہ شانہ چلنے والے احباب میں مولانا محمد عیسیٰ قاسمی صاحب مرحوم پیش پیش تھے۔ آپ تحریکی ذہن کے حامل تھے۔ یہ آپ کی فطرت کا خصوصی وصف تھا جو دنیا سے تشریف لے جانے تک برقرار رہا۔ آپ کی تحریکی سرگرمیوں اور استقلال و ایثار کے جذبے کو دیکھتے ہوئے ۱۹۶۰ء ہی میں رکنیت منظور ہوگئی۔ آپ جماعت کے تمام پروگراموں میں پابندی کے ساتھ شریک ہوتے، بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ پورے دیار میں ہر وقت سرگرم رہتے۔ آپ اپنی آخری سانس تک جماعت کے دست و بازو بنے رہے۔ ۲۶/جون ۱۹۷۵ء کو جب پورے ملک میں ایمرجنسی نافذ ہوئی اور ارکان جماعت کو نذر زندان کر دیا گیا تو آپ کو بھی اپنے تمام رفقاء کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں اور چھ ماہ بعد ضمانت پر رہا ہوئے۔ رہائی کے بعد تحریک اسلامی کی فکر عام کرنے کے لئے اور متحرک ہو گئے۔ جہاں موقع ملتا آگے بڑھ کر اپنی خدمات خود پیش کرتے۔ ہمہ وقت خدا کے دین کی جدو جہد میں منہمک رہتے۔ چونکہ آپ کو فن خطابت کا ملکہ حاصل تھا اس لئے کسی بھی موضوع پر گھنٹوں اظہار خیال کر سکتے تھے۔ جماعت کے پلیٹ فارم سے ہمیشہ گاؤں اور قرب و جوار میں اصلاحی مہمات چلاتے رہتے۔ سماج میں پھیلی ہوئی غلط اور بدعتی رسومات سے لوگوں کو دور رہنے کی تلقین کرتے۔ آپ جب فراغت کے بعد اپنے دیار میں تشریف لائے تو پورا خطہ بدعات و خرافات کے چنگل میں تھا۔ ولادت، ختنہ اور بر بیماری کے موقع پر بہت ساری غیر اسلامی رسومات پورے معاشرے میں رائج تھیں۔ ارکان جماعت کے ساتھ مل کر آپ نے ایک زبردست مہم چلائی۔ گاؤں گاؤں جا کر وعظ و تقریر کے ذریعہ غلط رسومات کے تئیں بیداری پیدا کی، جس کا لوگوں پر گہرا اثر ہوا۔ قصبہ بلریا گنج اور اطراف میں اس وقت محرم کے موقع پر عزاداری کا بڑا بول بالا تھا، قرب و جوار کے لوگ اپنے اپنے تعزیہ کے ساتھ قصبہ میں اکٹھا ہوتے اور ماتم کرتے۔ آپ نے اس بدعتی عمل کے خلاف ایک زبردست مہم چھیڑی۔ قصبہ و اطراف کے لوگوں کی ایک مہا پنچایت بلائی۔ لوگوں کو قرآن و حدیث کی روشنی میں سمجھایا اور دلائل سے ثابت کیا کہ یہ ایک بدعتی عمل ہے نیز مذہب اسلام سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہے۔ الحمد للہ آپ کی یہ جدو جہد رنگ لائی اور اس بدعتی عمل کا صرف قصبہ سے ہی نہیں بلکہ اطراف سے بھی خاتمہ ہو گیا۔ حادثات و فسادات کے موقع پر ریلیف کے کام میں پیش پیش رہتے

۔گھر گھر جا کر چندہ کرنا، سامان اکٹھا کرنا، اسے ضرورتمندوں تک پہنچانا اور اپنا سب کچھ نچھاور کر دینا نیز ایسے حالات میں تہوار وخوشی کے موقع پر نئے کپڑے نہ پہننا۔ یہ آپ کی امتیازی صفت تھی۔

آپ کی زندگی کا ایک بہت ہی نمایاں وصف بے پناہ صبر واستقامت تھا۔ بڑے ہی صابر وشاکر تھے۔قدم قدم پر آزمائشیں تھیں لیکن کبھی بھی آپ مصائب اور مشکلات سے نہ گھبراتے اور نہ ہی کسی طرح کا حزن وملال طاری ہوتا۔ چہرہ روشن اور ہونٹ پر تبسم کا سا انداز ہمیشہ رہتا۔دوستوں کے لئے دیدہ ودل فرش راہ کئے رہتے ۔ دوستوں کے دوست اور غریبوں کے غمگسار بن کر رہتے۔ خدمت انسانیت کو حاصل حیات گردانتے اور اس کے لئے شدائد ومشکلات کی راہوں سے ہوکر ایثار وقربانی کی عظیم منزلوں سے گزر جاتے۔ دوسروں کے کام تو اور لوگ بھی آتے ہیں لیکن اس شان کے ساتھ دوسروں کے کام آنا کہ آدمی خود اپنی ذات کو نظر انداز کر دے اور اپنی ضروریات کو بھی پس پشت ڈال دے۔ یہ ایک عالی مرتبت مقام ہے جو کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔قرآن نے تو اسے ایثار علی النفس کا نام دیا ہے، یہی وہ خوبی تھی جو آپ کو دوسروں سے ممتاز کرتی تھی۔

آپ کے مداحوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔آپ سے جو بھی ایک بار ملاقات کر لیتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔آپ کے دوست و رفقاء بھی کیا خوب تھے جو ہر وقت آپ پر جان نچھاور کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔مسلک، فرقہ اور جماعتی حد بندیوں سے بالاتر ہوکر لوگ آپ کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے نیز برادران وطن بھی آپ کے حسن اخلاق کے قائل تھے۔ ہر کسی سے آپ کے ملنے کا انداز ایک ہی جیسا۔انتہائی محبت آمیز انداز۔ مسلسل نو سال تک بستر علالت پر، پھر بھی خیریت دریافت کرنے پر مسکراتے ہوئے زبان سے الحمد للہ ہی نکلتا۔کوئی شکوہ وگلہ نہیں، کبھی کسی درد وتکلیف کا اظہار نہیں۔اللہ اللہ کتنے اعلیٰ وارفع کردار کے مالک تھے آپ......مولانا کی سادہ زندگی ایک نمونہ تھی۔کوئی تصنع نہیں، بالکل سادہ لباس، وہی قمیض، پتلا پاجامہ، سر پر کپڑے کی ٹوپی، آنکھ پر متوسط درجے کی کالی عینک، ہاتھ میں لٹکتا ہوا چمڑے کا کالا بیگ اور پیر میں عام سا جوتا۔اسی لباس میں آپ ہر جگہ نظر آتے۔ چاہے بڑے بڑے جلسے ہوں یا یاروں کی مجلسیں، چاہے صاحب ثروت و دانشوران ملت کی مجلسیں ،آپ کی سادگی وانکساری جگ ظاہر تھی۔وسعت ظرفی اور بردباری کا یہ عالم کہ اپنی ذات پر کی گئی تنقیص کو بڑی خندہ جبیں سے انگیز کر جاتے اور مخالفین کے لئے کبھی بھی نازیبا الفاظ اور ناشائستہ طرز عمل اختیار

نہ کرتے بلکہ ایسے لوگوں کے ساتھ خلوص ومحبت کا برتاؤ کرتے۔عفوودرگذر کا خاکہ آپ کے یہاں بہت وسیع تھا۔کتنے ہی لوگوں نے آپ کودھوکہ دیا، نہ جانے کتنی بار اعتماد واعتبار کا آب گینہ چور چور ہوا۔لیکن آپ تو اپنی مثال آپ تھے۔سچ یہ ہے کہ آپ کی زندگی اس شعر کی عکاس تھی۔

ہم کو ان سے وفا کہ ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

غیرت وخودداری کا جوہر تو آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھا۔استغنا و بے نیازی آپ کی سرشت میں شامل تھی۔اہل ثروت کے سامنے جھکنا یا ان کی ناز برداری کرنا آپ کی فطرت کے خلاف تھا،آپ صاف گو تھے۔حق بات کا برملا اظہار کرنے والے تھے۔کسی سے خوف نہ کھاتے چاہے سامنے کوئی بھی ہو۔اعلیٰ وارفع شخصیات ہوں،افسران ہوں یا سیاسی قائدین،آپ کی گفتگو میں مرعوبیت، مدافعت یا احساس کمتری کا کوئی بھی پہلو دور دور تک نظر نہیں آتا نیز آنکھ میں آنکھ ڈال کر گفتگو کرنے کا ہنر بھی جانتے تھے۔کوئی ۱۹۹۷ء کا واقعہ ہے۔قدیم نسواں کی عمارت کے سامنے اکرام پردھان صاحب مرحوم کا مکان تھا۔مولانا موصوف نے نسواں کی ضرورت کے مدنظر اسے خرید لیا تھا۔پردھان صاحب کے انتقال کے بعد ان کے متعلقین نے مکان پر اپنا دعویٰ پیش کر دیا اور پولیس کے ہمراہ آکر مکان میں تالا لگا دیا۔وقت کے ناظم جناب ڈاکٹر خلیل احمد صاحب موقع پر پہنچے،معاملہ حل ہوتا نہ دیکھ مولانا کو اس کی اطلاع دی۔ آپ نے ہاتھ میں بڑا سا ہتھوڑا اٹھایا اور مکان کی طرف اکیلے ہی نکل پڑے۔جاتے ہی صاحب معاملہ اور پولیس کی موجودگی میں اپنے ہاتھوں سے تالا توڑ دیا اور جامعہ کا قبضہ کرایا یہ کہتے ہوئے کہ:

''اس مکان کی پوری قیمت خود میں نے جامعہ کے فنڈ سے اکرام پردھان مرحوم کو ادا کیا ہے''

آپ کی اس جرأت و بہادری کو دیکھتے ہوئے پولیس اور صاحب معاملہ موقع سے بے رنگ واپس لوٹ گئے۔مولانا مرحوم کی اس طرح کے جرأت مندانہ قدم کی بہت طویل فہرست ہے جسے قلمبند کیا جائے تو سیکڑوں صفحات کم پڑ جائیں۔

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خونچکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

یکم فروری ۲۰۱۰ء کو آپ پر فالج کا حملہ ہوا جس سے جسم کا داہنی حصہ متاثر ہو گیا۔خود سے چلنے

بھرنے سے معذور ہوگئے، البتہ بیسا کھی یا کسی فرد کے سہارے مکان کے صحن میں کچھ چہل قدمی ضرور کر لیتے تھے۔ مولانا مرحوم جب بستر علالت پر تھے تو راقم کا وہاں پر آنا جانا برابر رہتا تھا۔ اکثر آپ کو مطالعہ میں ہی محو پاتا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ فالج کے بعد ذہن ودماغ متاثر نہیں ہوا ہے۔ آپ مطالعہ کے بے حد شوقین تھے۔ تفسیر، احادیث، فقہ، دینی کتب، اسلامی لٹریچر اور رسائل وجرائد سے والہانہ شغف تھا۔ ان موضوعات سے متعلق کتابوں پر کہیں بھی نظر پڑتی اسے فوراً خرید لیتے۔ باریک بینی سے مطالعہ کرتے اور ان کو محفوظ کر لیتے۔ جس سے آپ کے گھر میں ایک بڑا کتب خانہ قائم ہوگیا تھا۔ کون سی کتاب کہاں رکھی ہوئی ہے معلوم کرنے پر فوراً اشاروں میں نہ یہ کہ صرف بتا دیتے بلکہ موضوعات سے متعلق صفحات کی نشاندہی بھی کر دیتے تھے۔ شرعی وفقہی اصطلاحات اور قانونی ودستوری الفاظ پر آپ کی گہری نظر تھی۔ الفاظ سے معانی کا گہر نکالنے کا خوب فن جانتے تھے زبان وبیان کی خوبیوں کے ساتھ مسائل کی تفہیم وتعبیر کی خداداد صلاحیت آپ کے اندر موجود تھی۔ آپ کے اندر ادبی ذوق بھی تھا۔ شعر وسخن سے نہ صرف یہ کہ لگاؤ رکھتے تھے بلکہ تھوڑی بہت شاعری بھی کیا کرتے تھے۔ ساغر آپ کا تخلص تھا۔ علامہ اقبالؔ آپ کے پسندیدہ شاعر تھے۔ البتہ داغؔ، میرؔ، غالبؔ اور حالیؔ کے کلام کو بھی سراہتے تھے۔ فارسی کے اشعار بکثرت یاد تھے۔ عربی اشعار کا بھی برمحل اظہار کرتے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ آپ کے ادبی ذوق کا اندازہ ہوتا بلکہ آپ کی فکر اور جذبہ دروں کا بھی اظہار ہوتا تھا۔

مہمان نوازی کسی بھی مسلمان کے لئے اس کی زندگی کی سب سے بڑی دولت کا دیباچہ اور اس کا سرنامہ ہے۔ جہاں سچا ایمان ہوگا وہاں لازماً ضیافت کا اہتمام ہوگا۔ یہ صفت بھی مولانا مرحوم کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ آپ ضیافت میں بھی اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے تھے، ابھی ٹھیک سے مہمان بیٹھ نہ پاتے کہ آپ سرگرم ہو جاتے۔ مہمان کے آتے ہی مولانا کے چہرے پر ایک خاص طرح کی خوشی اور انبساط کی کیفیت دیکھنے کو ملتی تھی۔ جامعہ سے وابستگی اور تحریکی شخصیت کے باعث اکثر وبیشتر مہمانوں کا آنا جانا لگا رہتا جس سے آپ کا گھر ہمیشہ مہمان خانہ نظر آتا تھا۔ آپ کے یہاں مادی لوازمات کے ساتھ ساتھ معنوی ضیافت کا بھی اہتمام رہتا تھا۔ کبھی کبھی جماعت کی مقامی یونٹ کا ہفتہ واری پروگرام بھی آپ کے یہاں ہوا کرتا تھا، اس دن آپ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہتی، انجمن طلبہ قدیم یونٹ بلریا گنج کے زیر اہتمام آپ کے کیمپس میں بارہا پروگرام ہوئے، کبھی کبھی عشائیہ بھی رہتا تو آپ اور خود آپ کی

فیملی پیش پیش رہتی۔سن ۲۰۱۲ء میں آپ مقامی یونٹ کے ایک اجلاس میں مدعو خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوئے ،اورشرکاء کی ایک بڑی تعداد کو خطاب کیا۔مولانا کی تذکیر اوراس میں جامعۃ الفلاح کا ذکر نہ ہو یہ کیسے ممکن تھا،آپ نے جامعہ کی تعلیم وتربیت پر مفصل روشنی ڈالی۔ان کی تذکیر کا ایک انتہائی قیمتی جملہ مجھے اس وقت یاد آرہا ہے کہ:

''ہروہ شئی جوسماج کے لئے زیادہ مفید رہتی ہے اللہ تعالیٰ اسے اتنی زیادہ دیر تک باقی رکھتا ہے''۔

مولانا سے استفادے کا بہت کم وقت مجھ ناچیز کو مل سکا۔پھر بھی اتنی ساری یادیں سینے میں دفن ہیں کہ ایک ضخیم کتاب تیار ہوجائے۔لیکن راقم سے جو کچھ ہوسکا آپ کی زندگی کی چند جھلکیاں قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔آپ کی زندگی کے اہم نکات ،اورمزید بہت سی قابل ذکر باتیں قارئین کے سامنے ان شاءاللہ آئندہ بھی آتی رہیں گی۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات جلیلہ کوشرف قبولیت بخشے،اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین!

ظلمت کدہ میں آج میرے غم کا جوش ہے
ایک شمع رہ گئی تھی سووہ بھی خموش ہے

ایک تاریخی 'رپورتاژ'

جو ہمارے دل کی دھڑکن بن گئی

ظفر احمد الاثری فلاحی

انجمن طلبہ قدیم کے قیام کا پس منظر

انجمن کا قیام جامعۃ الفلاح کے ۱۳ سال قیام کے بعد عمل میں آیا۔ جامعہ کے بدلتے ہوئے حالات میں اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ فارغین جامعہ سے رابطہ کا ذریعہ بنایا جاسکے اور اسی لئے فارغین جامعۃ الفلاح کی تنظیم کے قیام کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ چوں کہ یہ ادارہ ایک عظیم مقصد کے تحت عمل میں آیا ہے اور اس کے فارغین اس مقصد کی تکمیل میں لگ گئے ہیں۔ چنانچہ فارغین جامعہ کی صلاحیتوں کو کارآمد اور مفید بنانے کے لیے بزم فلاح (ا الف) کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ ابنائے قدیم اپنی رائے دیں کہ ان کا اجتماع کب مناسب ہوگا؟ کیا کیا تجاویز ہیں؟ الحمد للہ بیشتر حضرات نے اس کو ضروری اقدام سمجھا اور انھوں نے اپنی قیمتی رائیں اور مشورے ارسال کیے، انھیں کی روشنی میں آئندہ اجتماع کی تیاریوں اور اس کے معقول انتظامات کے لیے ۱۴/۱۰/اکتوبر ۱۹۷۷ء کو جامعۃ الفلاح کی مسجد میں دس مقامی فلاحی اور منتہی طلبہ کی ایک تمہیدی میٹنگ بلائی گئی، میٹنگ دو گھنٹے تک جاری رہی، سبھوں نے اس بات کا شدت سے اظہار کیا کہ ابنائے قدیم کا اجتماع جلد بلایا جائے۔ اور مل بیٹھنے کا کوئی موقع مل سکے۔ چنانچہ بزم فلاح کی طرف سے ایک تمہیدی میٹنگ بلائی گئی۔

اس تمہیدی میٹنگ میں مولانا رحمت اثری فلاحی صاحب نے میٹنگ کا آغاز کرتے ہوئے یہ تحریر پڑھی جو درج ذیل ہے:

اما بعد! عزیز ساتھیو! اللہ کا شکر ہے کہ بہت دنوں کے بعد ہم لوگ ایک جگہ اکٹھا ہوکر باہم تبادلہ خیال کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں ایک عرصہ سے ابنائے قدیم کی طرف سے مطالبہ تھا کہ ان کا ایک اجتماع منعقد کیا جائے اور ان کے سلسلہ میں پیش آمد مسائل پر غور وخوض کرکے کسی حدتک پہنچا جائے۔ہمیں خوشی ہے کہ آپ اپنے دل وضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے یکجا ہونے کا فیصلہ کیا اور اپنے قیمتی اوقات کا تھوڑا سا حصہ اس مقصد کے لئے قربان کرکے یہاں حاضر ہوئے۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے ہم کو اس جامعہ میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع عنایت فرمایا جس کے نتیجہ میں ہم نے اپنی زندگی کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کی کوشش کی نیز ہمارے اندر یہ احساس بھی پیدا ہوا ہے کہ ساری دنیا کو ان کے مقصد زندگی سمجھانا اور ان کو وظیفہ حیات بتانا بھی ہمارا فریضہ اور نصب العین ہے۔

ہم نے جامعہ میں رہ کر اور اپنا قیمتی وقت لگا کر جو تعلیم وتربیت حاصل کی ہے اس کی قدر وقیمت کا اندازہ جس اچھے طریقہ سے ہم کو ہوسکتا ہے دوسرے کو نہیں ہوسکتا۔ہم اس تعلیم کی جن خصوصیات اور خامیوں سے واقف ہیں اس کی واقفیت بہم پہونچانا اور صحیح معنوں میں اس کا شعور ان دوسرے لوگوں کو نہیں ہوسکتا جو محض تماشائی ہیں یا کسی ذمہ دار کی حیثیت سے کسی فرض کی ادائیگی میں لگے ہوئے ہیں۔

ہم تمام لوگوں نے یہاں رہ کر تعلیم حاصل کی ہے اور کچھ لوگ حصول تعلیم کے بعد تدریس کا فریضہ بھی انجام دے رہے ہیں ایسے لوگوں کو رفتار زمانہ اور فارغین جامعہ کی ان حالات سے ہم آہنگی کے مسئلہ سے واقفیت ہے اور اس سے واقعی دلچسپی بھی رکھتے ہیں جس کا اظہار وہ موقع بہ موقع کرتے بھی رہے ہیں اور سب مل کر اسی مسئلہ پر اظہار خیال کرنے جارہے ہیں۔

سب سے اہم مسئلہ جس کے لیے ہم تمام ابنائے قدیم کو یہاں آنے کی زحمت دے رہے ہیں وہ یہ ہے کہ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد ان کو جن مسائل کا سامنا ہوتا ہے اس سلسلہ میں ہم ایک دوسرے کی کیا مدد کرسکتے ہیں نیز ارباب جامعہ سے کیا تعاون حاصل کرسکتے ہیں اس وقت اس بارے میں آئندہ ہونے والے اجلاس عام کی تفاصیل طے کرنے کے لیے اکٹھا ہوئے ہیں اور ہمیں یہ طے کرنا ہے کہ وہ اجلاس کب ہو، کس کی سرکردگی میں ہو، اس کے انتظامات کیا اور کیسے ہوں؟ نیز اس سلسلے میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو کیسے دور کیا جائے؟ بعض تجاویز جو ’’بزم فلاح‘‘ کی طرف سے جاری کردہ

سرکلر کے جواب میں موصول ہوئی ہیں آپ کے سامنے رکھی جارہی ہیں تاکہ اس مسئلہ پر غور و فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔(اب)

آخر میں ہم پھر ایک بار آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے ہماری نہیں بلکہ اپنی آواز پر لبیک کہا اور اپنے مسائل کو خود حل کرنے کا جذبہ لے کر یہاں یکجا ہونے کی زحمت گوارا کی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہم یہاں سے کوئی آخری فیصلہ کرکے ہی اٹھیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحیح فیصلے کرنے اور پھران کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

اس کے بعد اس میں اجتماع کے انتظامات کے لیے مختلف لوگوں کے ذمہ مختلف قسم کی ذمہ داریاں تقسیم کردی گئیں جو تیاریوں میں لگ گئے اور کام تیزی سے شروع ہوگیا۔ دستور کا مسودہ تیار کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنا دی گئی اس کے کنوینز مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب اور خطبہ استقبالیہ لکھنے اور ساری کارروائی کی رپورٹنگ کی ذمہ داری راقم الحروف پر تھی اور ناظم اجتماع مولانا انصار احمد مرحوم ہوئے اور خازن مولانا عمران فلاحی صاحب تھے۔ متفقہ طور پر جو چیزیں طے ہوئیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ اجتماع جامعۃ الفلاح میں ۱۳،۱۴ نومبر ۱۹۷۷ء کو منعقد ہوگا۔

۲۔ ایک دستوری کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو آئندہ اجلاس تک ایک دستوری مسودہ تیار کرکے پیش کرے گی۔ اور رحمت اللہ اثری صاحب اس کے کنوینز ہوں گے۔

۳۔ ایک وفد ترتیب پایا ہے جو ناظم جامعہ، صدر جامعہ اور اساتذہ کرام سے مل کر بزم کے مقاصد سے انھیں آگاہ کرے گا اور ان سے ہر ممکن تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

۴۔ اجتماع کے موقع پر جماعت کے کسی ذمہ دار کو دعوت دی جائے گی (مولانا سید حامد علی صاحبؒ، حامد حسینؒ صاحب اور م نسیمؒ صاحب میں سے کسی کو) اور ''حالات حاضرہ میں تعلیم یافتہ نوجوان خصوصاً فارغین جامعہ کی ذمہ داریوں'' کے موضوع پر اظہار خیال کی دعوت دی جائے۔

۵۔ مذاکرہ کا پروگرام بھی رکھا جائے گا۔

۶۔ ابنائے قدیم جو سفر کے مصارف کے متحمل نہ ہوسکیں ان کو ایک طرف کا کرایہ پیش کیا جائے گا۔

ان سب کے علاوہ آپ کی کوئی رائے یا مشورہ ہو تو تحریری شکل میں لکھ کر بھیج دیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان فیصلوں کو صحیح طور ہر عملی جامہ پہنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ

اس سلسلے میں مولانا ابواللیث اصلاحی وندوی سے ملاقات کا پروگرام بنایا گیا، مولانا اول روز سے جامعہ کے بارے میں فکر مند رہا کرتے تھے، اپنے دورِ امارت میں جب بھی وہ یہاں سے گزرتے تو مدرسہ میں آنا ضروری ہوتا اور تھوڑی دیر قیام کے بعد وہ اپنے وطن چاند پٹی جاتے تھے، جامعہ کی ترقی اور اس کے مسائل سے بھرپور دلچسپی لیتے تھے۔ جب بھی مدرسہ کی صورتِ حال ابتر ہوتی مولانا ایسے موقع پر جامعہ آکر منتظمین کی ہمت افزائی فرماتے اور حوصلہ دیتے، جب مولانا جلیل احسن ندویؒ ۱۹۷۲ء مطابق ۱۳۹۲ھ میں مستعفی ہوکر جامعۃ الرشاد چلے گئے تو ایسا لگتا تھا کہ اب جامعہ اجڑ گیا ہے اور مایوسی چھا گئی ہے۔ چونکہ مولانا جلیل احسن ندویؒ منتہی کلاسوں کے قرآن اور عربی ادب کی گھنٹیاں پڑھاتے تھے اس لیے اس خلا کا پر کرنا مشکل تھا۔ اس نازک موقع پر مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ تشریف لاتے ہیں اور مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب صدر مدرس کو ہمت بندھاتے ہیں اور حوصلہ دلاتے ہیں اور اپنی گفتگو میں اس کام کو جاری رکھنے کے لیے کہتے ہیں اور نصیحتیں فرماتے ہیں اور ہمت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے کہتے ہیں، ان کا ایسے موقع پر آنا مدرسہ کے منتظمین کے لیے ایک حوصلہ افزا قدم تھا اور ایک بڑا سہارا تھا اور اس بات کا تاثر ملا کہ جامعہ اکیلے نہیں بلکہ جامعہ کی سر پرستی ایک ایسی قدآور شخصیت کر رہی ہے جس کی سرپرستی میں مدرسہ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچ سکتا، ان کی قائدانہ صلاحیت نے ایسے موقع پر جامعہ کو اس بحران سے نکالا جہاں یہ محسوس ہو رہا تھا تعلیم وتربیت میں ایک زبردست خلا پیدا ہونے جا رہا ہے، لیکن ایسا نہیں ہوا، ان کی قائدانہ صلاحیت نے جہاں ملک و ملت کے مسائل حل کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی جامعہ کے الجھے ہوئے مسائل کو بھی بہ آسانی اپنے حسن تدبر سے حل کر دیا، اور انھوں نے اساتذہ کے اندر اعتماد اور خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کی جو کسی مؤثر قیادت کے لیے ضروری ہے۔

چنانچہ ایک پروگرام بنا کر ایک وفد کی شکل میں ان کے گاؤں چاند پٹی گئے، جس میں مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب، مولانا نور محمد فلاحی صاحب مولانا مطیع اللہ فلاحی انصار احمد فلاحی اور راقم الحروف بھی اس وفد میں شامل تھا۔

مولانا نے پروگرام سے اتفاق کیا اور اس میں شرکت کے لیے اپنی رضامندی ظاہر کر دی۔ اتنا ہی

نہیں بلکہ مولانا کے یہاں اعظم گڑھ کی روایتی ضیافت سے لطف اندوز ہونے کے بعد ہی ہم لوگ رخصت ہوئے، یہاں سے رخصت ہوکر ہم لوگ زمین رسول پور میں مولانا نور محمد کے گھر رات کا قیام کیا، یہ ہمارے استاذ محترم مولانا صغیر احسن اصلاحیؒ کا وطن ہے اور یہیں مولانا رحمت اثری فلاحی کے کلاس فیلو ڈاکٹر ابرار احمد فلاحی صاحب کا بھی گھر ہے۔

اجتماع کی تیاریاں شروع ہوگئیں اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے فارغین جامعہ کو ایک سرکلر طے شدہ باتوں کو سامنے رکھ کر ناظم اجتماع کی طرف سے اشاعت کے لئے اخبارات کو بھیجا گیا۔ اس کا متن اس طرح تھا۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم

مکرمی، سلام مسنون!

ہم آپ کے مؤقر جریدہ کے ذریعہ ابنائے فلاح کے نام ایک پیغام ارسال کرنا چاہتے ہیں، امید کہ اسے قریب ہی کسی شمارے میں شائع کر کے شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

والسلام، انصار احمد فلاحی

ابنائے قدیم متوجہ ہوں!

'عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں'

ابنائے قدیم جامعۃ الفلاح کی تنظیم کے قیام کی ضرورت ایک عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی تاکہ تمام فارغین جامعہ کو منظّم کر کے ان کی صلاحیتوں کو دین اسلام کی خدمت کے لیے زیادہ کارآمد بنایا جاسکے، اسی سلسلہ کی کوشش کچھ دنوں پہلے ''بزم فلاح'' کی طرف سے کی گئی تھی جس میں اولڈ بوائز سے اپیل کی گئی تھی کہ ان کی تنظیم اور اجتماع کے انعقاد کے سلسلہ میں قیمتی مشوروں سے ضرور نوازیں۔

خدا کا شکر ہے کہ ہمارے بیشتر ساتھیوں نے اس کو دل کی آواز جانا، ہمارے اس اقدام کو سراہا اور اپنے قیمتی آراء اور مشوروں سے ہم کو مستفید ہونے کا موقع فراہم کیا، اور ان ہی آراء کی روشنی میں آئندہ اجتماع کی تیاریوں اور اس کے معقول انتظامات کے لیے ۱۴/اکتوبر ۱۹۷۷ء کو جامعۃ الفلاح میں دس مقامی فلاحی اور آخری درجہ کے طلبہ کی میٹنگ بلائی گئی، میٹنگ دو گھنٹہ تک جاری رہی، سبھوں نے اس بات کا شدت سے اظہار کیا کہ ابنائے قدیم کا اجتماع جلد کیا جائے اور اس میں اجتماع کے انتظامات کے

لیے مختلف لوگوں کے ذمہ مختلف کی ذمہ داریاں سونپی گئیں جو بحمد للہ تیاریوں میں لگ چکے ہیں اور کام تیزی سے شروع ہو چکا ہے، متفقہ طور پر جو باتیں طے ہوئی ہیں اور جو اقدامات کیے گئے وہ یہ ہیں:

(۱) ابنائے قدیم کا اجتماع جامعۃ الفلاح میں ۱۳، ۱۴ نومبر ۱۹۷۷ء کو منعقد ہوگا۔

(۲) ایک دستوری کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جو آئندہ اجلاس تک دستوری مسودہ تیار کر کے اجلاس کے سامنے پیش کرے گا۔

(۳) ایک وفد ترتیب پایا ہے جو ناظم جامعہ، صدر جامعہ اور اساتذہ کرام سے مل کر بزم کے مقاصد سے آگاہ کرے گا اور ان سے ہر ممکن تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

(۴) اجتماع کے موقع پر کسی ذمہ دار تحریکی شخصیت کو بلایا جائے گا اور ان سے ’’حالات حاضرہ میں تعلیم یافتہ نوجوانوں خصوصاً جامعہ کے فارغین کی ذمہ داری‘‘ کے موضوع پر اظہار خیال کی دعوت دی جائے گی۔

(۵) اجتماع میں ’’جامعۃ الفلاح نے قوم کو کیا دیا ہے‘‘ کے موضوع پر ایک مذاکرہ ہوگا، جس میں ابنائے فلاح حصہ لیں گے۔

(۶) ابنائے قدیم جو سفر کے مصارف کے متحمل نہ ہو سکیں ان کو ایک طرف کا کرایہ پیش کیا جائے گا۔

اب آخر میں ہم اللہ جل شانہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم تمام نوجوانوں کو اپنے دین کا سچا خادم بنائے، آمین۔ والسلام

چنانچہ اجلاس اپنے وقت مقررہ پر شروع ہوا۔ مولانا جلیل احسن ندویؒ کے درس قرآن سے اجلاس کا آغاز ہوا۔ انھوں نے سورہ کہف کی آیت ۱۳ سے ۱۷ تک کا درس دیا۔ (۲) اس کے بعد صدر مدرس مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب نے باہر سے آئے ہوئے مہمانوں اور طلبہ قدیم کا خیر مقدم کیا اور مدرسہ کے اغراض و مقاصد کو یاد دلایا۔ پھر مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی نے طلبہ سے خطاب کیا۔ (۳)

ان کے علاوہ اس اجلاس سے مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب اور سید حامد علی صاحب سکریٹری جماعت اسلامی ہند نے بھی خطاب کیا۔ اخیر میں شام کو مشاعرہ کی محفل بھی منعقد ہوئی۔ اس میں تحریک اسلامی کے نامور شعراء نے اپنا اپنا کلام پیش کیا۔ نامور شعراء میں حفیظ میرٹھی، مائل خیرآبادی، اور کوثر یزدانی ہیں جنھوں نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا اور مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی بھی سب کے

کلام سے لطف اندوز ہوتے رہے، خاص طور پر مائل خیر آبادی کے کلام سے۔(۴)

خطبہ استقبالیہ کا پورا متن ذیل میں درج ہے:

محترم اساتذہ، معزز سامعین اور عزیز طلبہ

اللہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہم پر اپنی نعمتوں کی بارش کی، اپنی سب سے بڑی نعمت یعنی دین سے نوازا۔ اور اسی کا فضل وکرم ہے کہ آج ہم نے فارغین جامعہ کے لیے مادر علمی کی آغوش میں جمع ہونے کا موقع فراہم کیا ہے اور تنظیم فلاح کا جو تخیل ایک عرصہ سے ہمارے ذہن میں پک رہا تھا اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے سنہری موقع عنایت فرمایا، ہم اپنے ان ساتھیوں کے بے حد ممنون ہیں جو ہماری دعوت پر یہاں یکجا ہوگئے اور اس پروگرام کی اہمیت کو انھوں نے پوری طرح محسوس کیا اور اپنے مفید مشورے اور مثمر تجویزیں بھی ہمارے سامنے رکھیں، ہم اپنے ان مہمانوں کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں جو اس موقع پر اپنا قیمتی وقت فارغ کر کے یہاں تشریف لائے۔

معزز سامعین! سب سے پہلے میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس دور میں تعلیمی نظام اور اس کے مقاصد میں کافی فرق ہو گیا ہے۔ تعلیم کے نئے نئے طریقے رائج ہو گئے ہیں۔ زمانہ جوں جوں ترقی کر رہا ہے اس کے اندر ہی زیادہ جدت پیدا ہوتی جارہی ہے۔ مغرب نے تعلیم کو اتنی ترقی دے دی ہے کہ اب انسان کے قدم مریخ اور چاند پر پہنچ گئے ہیں، انکشافات وایجادات کے میدان میں حیرت انگیز ترقی ہوئی اور علم وسائنس کی بدولت دنیا ایک گھرانا بن گئی ہے، جب کوئی چاہے دوسرے سے ربط قائم کر سکتا ہے اور دنیا کے کسی کونے میں چاہے منٹوں اور سکینڈوں میں پہونچ سکتا ہے، لیکن اس حیرت انگیز اور ہوش ربا ترقی کے ساتھ ساتھ انسان کے اخلاق ومعاشرت، تہذیب وتمدن، عدل وانصاف، سیرت وکردار میں اتنی گراوٹ اور اتنا انحطاط آگیا ہے کہ انسانیت سر پیٹ لے۔ تعلیمی ڈھانچہ چاہے اشترا کی نظام کا ہو یا جمہوری ملکوں کا سب کی روح ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کو مادہ پرست، مذہب دشمن اور خدا کا باغی بنایا جائے۔ ان کے اندر طبقاتی منافرت پیدا کی جائے، انھیں روٹی دے کر ہر ایک کو بالکل بے ضمیر اور مشین بنا دیا جائے اور یہ کہا جاتا ہے کہ ہم نے انسان کا معاشی مسئلہ حل کر دیا۔ اور دوسری طرف شہریوں کو مسلسل وطن پرستی اور قومی عصبیت کا نشہ پلایا جاتا ہے، اس لیے یہاں بھی اخلاقی [ترقی] عملا اضافی ہو جاتی ہیں اور ان کی مستقل کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ جس نظام میں اخلاقی

قدروں سے آزاد ہوکر ایسی تعلیم دی جائے جس میں شکم پروری کا علم ہوتو وہ تعلیم کسی قوم وملک کے لیے کبھی بھی عروج وترقی کی باعث نہیں ہوسکتی اگر حصول علم کے بعد انسان اپنے آپ کو نہیں بنا سکتا اور اخلاقی قدروں کا حامل نہ ہوسکا تو یہ تعلیم اس کے لئے باعث رحمت کبھی نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کے لیے اور پوری قوم کے لیے تباہی و ہلاکت کی چیز بن جائے گی، خدا بیزاری اخلاقی کی پامالی، سیرت و کردار کا فقدان اور فحاشی و گندگی کا چلن موجودہ تعلیم کی خصوصیت بن چکی ہے۔ اگر انسان کو وہ حقائق معلوم نہ ہوسکے جن سے وہ اپنے خالق کو پہچان سکے اگر اسے اس بات کا علم ہی نہ ہو کہ اس کا خالق کون ہے، حاکم ورازق کون ہے اور وہ اس دنیا میں کیوں آیا ہے آسمان وزمین اس کے لیے مسخر کیوں کردی گئی ہیں تو یہ چیز ہولناک تباہی و بربادی کا سبب بن جائے گی۔

سائنس وٹکنالوجی کی راہ سے ایسی ایسی تحقیقات سامنے آرہی ہیں کہ انسان کی عقل حیرت میں پڑ جاتی ہے اور دوسری طرف ایسے وحشیانہ اور حیا سوز افعال صادر ہوتے ہیں کہ مارے شرم کے انسانیت کبھی آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ اور کھلے کانوں میں انگلیاں دے لیتی ہے۔ دنیا کے کسی خطے میں آپ چلے جائیں چاہے وہ خطہ ترقی کی آخری انتہا پر ہو، مغرب نے جس نظام تعلیم کی داغ بیل ڈالی ہے، اس کی بدولت وہاں ایسے افراد ملیں گے جو قوم وملت کے لیے مادی ترقیوں کا نشانہ سمجھے جاتے ہوں گے اور دوسری طرف وہی افراد قوم وملک کی صاف ستھری زندگی، پاکیزہ ماحول اور اعلیٰ وارفع اقدار کے حق میں نقصان دہ اور تباہی و بربادی کا سبب بن رہے ہوں گے، معاشرہ بھلائی ونیکی سے یکسر خالی ہے۔ ہر شخص اس اندیشہ میں مبتلا ہے کہ کب کوئی اسے گزند پہونچا دے، جانوں کا ہر وقت خطرہ لگا رہتا ہے۔ عصمتیں محفوظ نہیں، فحاشی عام ہے اور وہ ممالک جہاں ترقی اپنے عروج پر ہے وہاں ان تعلیم گاہوں کے صد فیصد طلبہ فحاشی اور نشہ آور چیزوں کے رسیا ہیں۔ ان کے ہاتھ وہ تمام برائیاں انجام پاتی ہیں جن کا ہم آپ تصور نہیں کرسکتے۔ کون سی برائی ہے جس میں وہ مبتلا نہ ہوں اور یہی افراد جب حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے ہیں، سماج کا جز بنتے ہیں، ملک کے شہری ہوتے ہیں، قوم کے لیڈر ہوتے ہیں، تعلیم گاہوں کے استاد ہوتے ہیں وہ تو وہ کارنامے انجام دیتے ہیں کہ ملک دن بدن گراوٹ ہی کی طرف بڑھتا رہا ہے، یہ گراوٹ آج مغربی ممالک میں عام ہے اور اس تباہی کا مزہ وہ چکھ رہے ہیں۔ مثالوں کی ضرورت نہیں آپ حالات سے بخوبی واقف ہیں۔

اس کے بالمقابل تعلیم کا یہ مقصد ہو کہ انسان خدا کا بندہ بنے ،طلبہ اپنی فطری صلاحیتوں کو اجاگر کر کے اور اپنے طبعی رجحانات کو صحیح رخ پر ڈال کر ذہنی، جسمانی، عملی اور اخلاقی اعتبار سے بتدریج اس لائق بنیں کہ وہ اللہ کے شکر گزار بن کر رہیں، کائنات میں اس کی مرضی کے مطابق تصرف کریں۔ نیز انفرادی، عائلی اور اجتماعی حیثیت سے ان پر جو ذمہ داریاں ان کے خالق و مالک نے عائد کی ہیں ان سے وہ کماحقہ عہدہ برآ ہوسکیں۔

تعلیم کا یہی صحیح اور بنیادی مقصد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا کیا ہے، وہی سب کی ضرورتیں پوری کرتا ہے، وہی سب کا مالک، حاکم، رازق، بادشاہ ہے، اس کی سلطنت بے پایاں ہے۔ اس نے ہمیں طرح طرح کی نعمتوں سے مالا مال کیا اور ان نعمتوں کو ہمارے تصرف میں لے کر اس سرزمین میں آباد کیا، اس کائنات کی ساری چیزوں کا حقیقی مالک وہی ہے۔ ہم کو جو کچھ ملا ہے اسی کا عطیہ ہے۔ ہم اس کے بندے اور محکوم ہیں۔ مقتدرِ اعلی وہی ہے، قانون ساز وہی ہے۔ اس نے زندگی گزارنے کا مفصل طریقہ بتایا ہے۔ اس نے اتنا کرم کیا کہ اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم انسانوں کو صحیح راستہ کی ہدایت بخشی۔ ہمارا اولین فرض ہے کہ اس کے شکر گزار بندے بنیں، اس کے قانون کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اس نے ہم پر مختلف قسم کی ذمہ داریاں ڈالی ہیں اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے بہترین جسم عطا فرمایا۔ مختلف قسم کی صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں، طرح طرح کے وسائل و ذرائع مہیا کئے ہیں کہ ان صلاحیتوں اور قوتوں کے ذریعہ ہم خدا کے شکر گزار بندے بنیں، ظاہر ہے کہ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب ہماری تعلیم و تربیت بہترین اصولوں پر ہو، حق و باطل کے درمیان تمیز کی کسوٹی فراہم کی جائے، باطل نظریات سے ہوشیار رہیں، زندگی سے متعلق تمام امور کی صحیح واقفیت بہم پہنچائی جائے، فطری خواہشات اور رجحانات کو صحیح رخ پر ڈالا جائے۔ یہ ہے وہ اعلیٰ و پاکیزہ مقصد جس کے حصول کے بعد ایسے افراد سماج کو میسر آتے ہیں جن سے خیر ہی کا پہلو غالب ہوتا ہے، جہاں عدل و انصاف کے نمونے نظر آتے ہیں، معاشرہ کے اندر چین کی بانسری بجتی ہیں، سب ایک دوسرے کے سکھ دکھ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، سب کی جانیں محفوظ ہوتی ہیں، ہر شخص عصمتوں کا محافظ بن جاتا ہے، مکارم اخلاق کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ یہی وہ اسلامی تعلیم ہے جس کے ذریعہ دکھی انسانیت کا مداوا ہوتا ہے، بگڑے سماج کی اصلاح ہوتی ہے، انسانیت کے لیے تعمیر و ترقی کی راہیں کھلتی ہیں اور اس

کے ذریعہ معاشرہ کو پھلنے پھولنے کے مواقع میسر ہوتے ہیں اوراس مقصد کی حامل درس گاہیں ان امور کو اپنا نصب العین بناتی ہیں۔

سامعین کرام! جامعۃ الفلاح کا قیام ان ہی مقاصد کے حصول کے لیے ہوا ہے جب طلبہ یہاں سے نکلیں تو حق کی عملی اور قولی شہادت دیں اور سیرت و کردار کے بہترین نمونہ ہوں۔ اسلامی نظام کے غلبہ کے لیے اپنی جدو جہد برابر جاری رکھیں، اپنی طاقت وصلاحیت اور اپنے ذرائع کے مطابق دین کی سربلندی کے لیے ہم آن تیار رہیں۔ وہ بیک وقت دینی علوم اور کائناتی علوم سے واقفیت بہم پہنچائیں، زمانہ کے تمام چیلنجوں کو سمجھ کر ان کا معقول جواب دیں، ان مقاصد کے حصول میں جامعہ کو کہاں تک کامیابی ہوئی اس کا فیصلہ آپ کریں گے۔

۱۳سال کی مدت میں ضرور ایسے افراد تیار ہوگئے جو ملک وملت کی کسی نہ کسی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں، باوجود اس کے کہ کہیں کسی نہ کسی پہلو سے پریشانیوں کا سامنا رہا اور اپنی بہترین صلاحیتوں کو وہ کما حقہ استعمال نہ کر سکے۔

افراد کی تربیت محض اس پہلو یا اس انداز سے نہیں ہوئی ہے کہ انھیں اپنے یہاں رکھ کر میدان کارزار میں بھیج دیا جائے اور ان کے مسائل ومشکلات کو بالکل نظر انداز کر کے ان کی کارگزاریوں ہی پر نظر رکھی جائے، یہ کسی طرح انصاف نہیں ہوگا اگر کوئی سپاہی میدان کارزار میں جاتا ہے تو اس کی واپسی کے بعد اس کا کمانڈر اس کے کمالات پر اسے انعامات دیتا ہے، اس کی غلطیوں کی نشان دہی کرتا ہے اور آئندہ مقابلہ کے لیے دوسرا خاکہ تیار کر کے اس کے حوالہ کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ فارغین کی ہر طرح سے نگہداشت کی جائے، وسائل و ذرائع کے مطابق ان کے حالات معلوم کر کے ان کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے انھیں ایسے مواقع مہیا کیے جائیں کہ دین واسلام کے لیے عمدہ اور کامیاب سپاہی ثابت ہوں، یہ بات سوچنے کی ہے جب مقصد اس قدر اہم اور بلند ہو اور اس کی تیاری [میں] ایک لمبی مدت صرف کی جائے تو کیوں اس کے حاصل ہونے کے بعد اس سے صرف نظر کر لیا جائے۔ یہ بات بہت ہی قابل غور ہے اس ہندوستان میں جہاں صدیوں کی گروہ بندیاں ہوں، جاہلی عصبیت موجود ہو، مسلکی اختلافات شدید ہوں ان علاقوں سے وابستہ فارغین کے لیے از سر نو محاذ سنبھال لینا کس قدر کٹھن اور مشکل ہے، آپس کے مسلکی اختلافات اتنے بھیانک ہوتے ہیں کہ ایک

سنجیدہ انسان کا اس فضا میں سانس لینا دوبھر ہوتا ہے، وہاں کام کو آگے بڑھانے، دعوت کی راہیں ہموار کرنے کی رہ نمائی اور وسائل کی فراہمی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

فارغین جامعہ کی صلاحیتوں کو منظّم کر کے ملت و اسلام کے لیے بہت ہی مفید اور کارآمد بنایا جا سکتا ہے، انھیں مجتمع کر کے صحیح سمت پر لگایا جا سکتا ہے، اگر ایسا نہ ہوا تو عین ممکن ہے کہ وہ کس مپرسی کے ہاتھوں بے کار ہو کر رہ جائیں۔ چنانچہ یہی حال اس ہندوستان میں دیکھا جاتا ہے کہ عربی درس گاہیں جن کے فارغین عدم توجہی کی وجہ سے معقول و مناسب نگہ داشت سے محروم ہو جاتے ہیں، وہ اس طرح بکھر جاتے ہیں کہ کہیں ان کی کوئی صدائے بازگشت نہیں سنائی دیتی، اگر یہی سلوک اس جامعہ کے فارغین کے ساتھ ہوا تو آپ اس بات کی توقع ہرگز نہ رکھیں کہ وہ یہاں سے نکل کر آپ کی توقعات پوری کر سکیں گے۔ ایسی تعداد بالکل تھوڑی ہوگی جو ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اس لیے ان کی مشکلات، ان کے مسائل، ان کی دشواریوں اور ان کی الجھنوں پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔ ایسے باصلاحیت، ہوش مند، باشعور اور درمند افراد کو منتخب کر کے انھیں ان کے کاموں پر ڈالا جائے جن کے وہ لائق ہیں۔

حضرات! ہمارا یہ اجتماع اسی مقصد کی طرف گویا ایک عملی اقدام ہے۔ ان کی تنظیم کے لیے یہ ایک ابتدائی کوشش ہے، ظاہر ہے جب فارغین اکٹھا ہو کر اپنے مسائل پر کھل کر گفتگو نہ کریں گے اور ان کو حل کرنے کی شکلیں نہ سوچیں گے اور اس کی اجتماعی شکل نہ ہوگی تو ترقی کی راہ کیوں کر کھل سکے گی اور یہ بات مسلم ہے کہ جب افراد اپنی طاقتیں اکٹھی کر لیتے ہیں، اپنی صلاحیتوں کو ایک تنظیم کے تحت بروئے کار لانے کا عزم و حوصلہ کرتے ہیں تو وہ دنیا کے سامنے ایک قوت و طاقت بن کر نمودار ہوتے ہیں، پھر جب کوئی بامقصد تنظیم اپنے ٹھوس اصولوں اور ضابطوں کو نشان منزل بناتی ہے تو ہر ناممکن چیز ممکن بن جاتی ہے، ہر غیر یقینی چیز یقینی ہو جاتی ہے اور ہر مشکل آسان ہو جاتا ہے۔

دراصل اجتماعیت انسانی زندگی کا خاصہ ہے، مخلوقات میں ادنیٰ مخلوق بھی اپنی تنظیم ہم جنسوں، ہم سفروں، ہم خیالوں، ہم جماعتوں کی بناتی ہے اور اس میں اتنی اجتماعیت اور مرکزیت ہوتی ہے کہ اپنے تمام متعلقہ امور بہ آسانی آپس میں طے کر لیتی ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ وہ معاشرہ سے ایک منٹ کے لیے بھی کٹ کر زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ وہ سماجی مخلوق ہے اور یہی بات ہے کہ وہ مختلف

سماجوں، تنظیموں سے وابستہ ہوکر اپنی زندگی کی گاڑی کھینچے جارہا ہے، لیکن قابل لحاظ چیز یہ ہے کہ جب انسان مخلوقات میں سب سے افضل ہے تو اس کے مقاصد بھی جلیل ہوں، اس کا نصب العین بھی عظیم ہو، اس کے افکار حکیمانہ ہوں، اس کا علم معارف اور حقائق سے مرکب ہو اور اس کی تنظیم بہترین اصولوں، پاکیزہ مقاصد اور اعلی اوصاف کی نمائندگی کرتی ہو اور یہی ہماری ترقی کی دلیل اور ناپنے کا پیمانہ ہوگا، ہمارے پیش نظر فارغین جامعہ کی اجتماعی کوشش تنظیم قائم کرکے دنیا کی اور انجمنوں کی طرح سال میں ایک مرتبہ جلسہ کر لینا یا کچھ تجویزیں پاس کر لینا نہیں ہوگا، بلکہ ہماری یہ تنظیم سال بہ سال کچھ پروگرام طے کرکے کام کو آگے بڑھائے گی۔ اچانک کوئی ایسا اقدام نہیں اٹھایا جائے گا جو ہماری تنظیم کے لیے نقصان دہ ہو، کام بتدریج انجام پائے گا، ہر سال کے لیے خاکے تیار کیے جائیں گے اس کے مطابق تنظیم کے ذمہ دار حضرات اپنے فرائض انجام دیں گے۔ تنظیم ان کے حالات کا جائزہ لے گی، ان سے [بروقت] ربط قائم رکھے گی، ان کی مشکلات کو دور کرنے کے لیے عملی [اقدامات] سوچے گی، ان کی صلاحیتوں کو صحیح رخ پر لگانے کے لیے اپنے ممکن ذرائع استعمال کرے گی، انھیں وہ مواقع فراہم کرے گی جن کی بدولت اسلام کی خدمت زیادہ سے زیادہ ہو سکے اور دعوت کا کام بطرز احسن انجام پا سکے۔ ایسے وسائل مہیا کرنے کے لیے کوششیں ہوں گی کہ ان کے نیک عزائم اور بلند ارادوں کی تکمیل ہو سکے۔ عصر حاضر کے تقاضوں سے پوری طرح باخبر کرکے انھیں دین کا صحیح خادم بنایا جا سکے، انھیں دعوت اسلامی کا خاکہ دیا جائے گا کہ وہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے اسلام کی تبلیغ واشاعت کر سکیں، نوجوان فارغین کے اندر ہمہ وقت تحریکی ذہنیت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے کہ وہ اسلام کے تمام چیلنجوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اب تک ان مقاصد کے حصول میں جو ناکامی ہوئی ہے اس کی واضح وجہ یہی ہے کہ فارغین کے مسائل حل نہیں کیے گئے۔

ہمیں اس بات پر مسرت ہے کہ کارکنان جامعہ اور محترم اساتذہ اس تنظیم کی تشکیل سے پوری طرح متفق ہیں۔ ہم تمام طلبہ امید رکھتے ہیں کہ وہ ان کی تکمیل کے لیے بھرپور تعاون پیش کریں گے اور ہماری ہر طرح کی ہمت افزائی فرمائیں گے۔

۱۳ سال کی مدت میں جامعۃ الفلاح کی مدت کارکردگی اتنی بہتر ہوئی ہے کہ اسے خوش آئند کہا جائے، ہر میدان میں نہیں تو کسی نہ کسی پہلو سے ضرور خدمت کر رہے ہیں۔ یہ کہنا ناانصافی ہوگا کہ

یہاں سے ایسے افراد نہیں نکل سکے جو اسلام کے صحیح خادم نہ بن سکے، کیا آپ ان عربی درس گاہوں کو نہیں دیکھتے جن کے قیام کو سوسال بیت گئے ہیں اوراس پوری مدت میں ایسے افراد واشخاص وہاں سے تیار ہو سکتے تھے جو پورے ہندوستان میں دعوت اسلامی کے تمام محاذوں کو سنبھال لیتے اور اسلام کی تبلیغ اس حد تک ہوجاتی کہ کسی تنظیم کی ضرورت نہ رہ جاتی، لیکن افسوس ہے کہ کھیپ کی کھیپ ان مدارس سے نکلتی ہے اور طرح طرح کی عصبیتوں اور اختلافات میں مبتلا ہوکر گم ہوجاتی رہی۔ لیکن ماشاء اللہ اس صورت حال کو سامنے رکھیے، ہماری جامعہ کی پیداوار (Production) اتنی مایوس کن نہیں کہ اسے بے کار اور ناقابل لحاظ کہا جاسکے۔

اور حقیقت ہے کہ یہیں سے وہ افراد نکل سکتے ہیں جو اسلام کے نمائندے بن سکیں جن کی اس دور حاضر کو ضرورت ہے اس لیے کہ عربی درسگاہوں کا جیسا کچھ حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ گروہی تعصب، مسلکی اختلافات اتنے شدید اور بھیانک کہ وہاں بچوں کی تعلیم وتربیت جس انداز سے ہوتی ہے وہ بہت ہی تکلیف دہ اور مایوس کن ہے، یہاں نہ اس کا موقع ہے اور نہ مناسب ہے کہ اس کی مثالیں پیش کی جائیں، وہاں تو قطعاً ایسے نونہالان اسلام کی ضرورت نہیں ہوتی جو اسلام کو غلبہ کرنے کی خواہش رکھتے ہوں اور اعلاء کلمۃ اللہ کو اپنا نصب العین بناتے ہوں۔ ایسے مقاصد کو اپنی تربیت گاہوں کے منافی سمجھتے ہوں [ہیں]۔ یقیناً یہ حالت ایسی تشویش ناک اور تکلیف دہ ہے کہ اگر اس کا حل نہ تلاش کیا گیا تو ملت اسلامیہ کی ڈوبتی ہوئی کشتی بھنور سے نہ نکل سکے گی، جامعۃ الفلاح روشنی کا ایک منارہ ہے یہاں کے فارغین کی صلاحیتیں کام میں لاکر ملک وملت کے لیے مفید سے مفید تر بنائی جاسکتی ہیں۔ اگر اس کی طرف سے بے توجہی کی گئی تو پھر اس کا موقع نہیں مل سکے گا کہ اس کی تلافی کی جائے۔

ہمارے سامنے کچھ پروگرام ہیں جنہیں ہم باہم طے کرکے آپ کے سامنے رکھیں گے اور وہ تمام پروگرام جامعہ کے مقاصد سے ہم آہنگ ہوں گے اور کارکنان جامعہ کے تعاون سے انجام پائیں گے۔ اس لیے ہم آپ کے مکمل تعاون کے خواست گار ہیں، باطل تحریکات اپنے ہتھیاروں سے لیس ہیں، ان کی تعلیم گاہوں میں اسلامی نظریات کی اس طرح سے بیخ کنی کی جاتی ہے کہ عام شخص اسے نہیں سمجھ سکتا ہے۔

وہ اس پر ریسرچ کرتے ہیں اور اپنی خطیر رقم صرف کرتے ہیں۔ ہمارے بازو کمزور ہیں اور ذرائع وسائل محدود پھر بھی ہمارے حوصلے بلند ہیں اور ہمیں آگے بڑھ کر اس سیلاب کے آگے بند باندھنا ہے،

ہمیں امید ہے کہ آپ حضرات نے حالات کی نزاکت کا اندازہ کرلیا ہوگا۔

ان باتوں کی روشنی میں آپ یہ طے کر سکتے ہیں کہ ہمارے کس قسم کے ارادے ہیں، ہمارے دلوں میں کس قسم کی امنگیں کروٹیں لے رہی ہیں ان کی قدر کرتے ہوئے ان ارادوں اور عزائم کو تکمیل تک ضرور پہنچائیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں وہ اس بات کی توفیق بخشے کہ ہم اسلام کے سچے خادم بن سکیں اور اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔(۵)

اس اجتماع کے بعد فارغین جامعہ اپنے اپنے مقامات پر سرگرم ہو گئے، آغاز میں جامعہ اس کا مرکز بن گیا اور یہیں سے اس میں تحریک پیدا شروع ہوگئی اور سب اہم کام یہ ہوا کہ ''حیات نو'' کے نام انجمن کا آرگن شائع ہونا شروع ہوگیا۔اس نے زبردست رول ادا کیا اور رابطہ کا بہترین ذریعہ بنا۔انجمن کی آواز اسی کے ذریعہ تمام فارغین تک پہنچائی جاتی رہی اور اس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

'حیات نو' کا نام

'حیات نو' کا نام میرے اس قلمی پرچے پر موسوم ہوگیا جو میں نے عربی پنجم میں اس کے دو شمارے نکالے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب طلبہ کو زیادہ تر درسی کتابوں پر توجہ اور مطالعہ کی تیاری میں گزارنے کے کہا جاتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اتنے سارے مضامین کے اسباق کے مطالعہ میں سارا وقت نکل جاتا تھا اس لیے غیر درسی کتابوں کے ساتھ ساتھ لکھنے اور کسی پرچے کو نکالنے کی بات ایک ایسی حرکت تھی جو تعلیمی مشاغل میں ایک بڑی رکاوٹ تھی اس لیے یہ کام بہت ہی خفیہ طور پر انجام پایا اور اس کا ایڈیٹر تو راقم تھا اور عبدالوحید فلاحی مقیم مالیگاؤں معاون کی حیثیت سے تھے اور سرپرستی ماسٹر افضال کر رہے تھے، جو انگریزی کے استاذ تھے۔اس وقت صدر مدرس مولانا شہباز اصلاحیؒ تھے، یہ بات ان کے علم میں آ گئی۔اندیشہ تھا کہ مولانا سرزنش کریں گے اور یہ بات گوش گزار کریں گے کہ درسی کتابوں کی طرف توجہ دو لیکن خلاف توقع ایسا نہیں ہوا بلکہ اس پر انھوں شادباشی اور ہمت افزائی کی اور پسندیدگی کا مظاہرہ کیا۔

'حیات نو' کا رول

''حیات نو'' کا پہلا شمارہ جنوری وفروری سے شائع ہونا شروع ہوگیا۔اس نے آغاز کار میں فارغین

جامعہ اور انجمن کا ترجمان بن کر عظیم الشان خدمات انجام دینے لگا، اس کے توسط سے دور دور پھیلے ہوئے فارغین جامعہ تک انجمن کی سرگرمیاں اور جامعہ کی خبریں پہنچنا شروع ہوگئیں اور ان سے رابطہ میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا اور اس کے ساتھ ہی ''حیات نو'' کے اندر دن بدن تبدیلیاں آتی گئیں اور اس کے معیار میں فرق آنے لگا اور الحمدللہ اب ایک علمی پرچہ کی حیثیت سے لوگوں کے دلوں میں گھر کرتا جارہا ہے اور ہندوستان کے حدود سے نکل کر دوسرے ملکوں میں اس کی پذیرائی شروع ہوگئی ہے اور علمی حلقوں میں قدر کی نظروں سے دیکھا جانے لگا ہے۔ اور اس کم عرصے میں مختلف موضوعات پر خصوصی نمبر نکل چکے ہیں، جو کافی مقبول ہوئے۔ دوسری اہم بات یہ کہ اس پرچے کے ذریعہ تحریک اسلامی کے افراد سے رابطہ کا ذریعہ بن گیا۔ اور تحریک اسلامی کے افکار، قرآنی مضامین، اور حالات حاضرہ پر وقیع مضامین کی وجہ سے علمی حلقوں میں اتنے کم وقت میں قبولیت عام کا درجہ اسے مل گیا ہے۔

آغاز میں انجمن کا رول

آغاز کار میں اس کے بنیادی لوگ کچھ تو مدرسہ میں تھے اور کچھ افراد مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرون ملک چلے گئے۔ لیکن جامعہ میں کئی افراد تھے جو انجمن کے کاموں کو سرگرمی سے انجام دینا شروع کر دیا جن میں سرفہرست مولانا نور محمد فلاحیؒ، مولانا انصار احمد فلاحیؒ، مولانا مطیع اللہ فلاحی اور مولانا عمران احمد فلاحی صاحبان تھے جن کے توسط سے یہ کارواں اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوگیا اور اپنے مقاصد کے حصول میں لگ گیا۔ لیکن راقم اور مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب مدینہ یونی ورسٹی میں داخلہ کے بعد اس اجتماع کے فوراً بعد ہی سعودی عرب روانہ ہوگئے۔

ہم اپنے مشن سے غافل نہیں رہے اور مدینہ منورہ میں چار سال قیام کے دوران بھی رابطہ رہا اور یہاں سے فراغت کے بعد جب برطانیہ منتقل ہوگئے تو یہاں اس مشن کا حصہ بن گئے، جس کا ہم لوگوں نے عہد و پیمان کیا تھا اور یہاں رہتے ہوئے مختلف قسم کے پروجکٹ پر کام کیا۔

وہ کام درج ذیل ہیں:

☆ اسکالرشپ: جو فارغین جامعہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے مسلم علی گڑھ یونی ورسٹی آرہے تھے ان میں جو مستحقین اسکالرشپ تھے ان کے لیے اسکالرشپ کا انتظام یہاں سے کیا گیا۔

☆ یہاں قیام کے دوران مادر علمی کے جدید وقدیم نصاب کا تعارف کرانا جو یہاں مختلف مما لک سے آتے تھے۔

☆ جامعہ کے لیے کتابوں کا بندوبست کرانا۔

☆ جامعہ کے مالی تعاون کے لیے کوشاں رہنا اور اس کے لیے جد جہد کرنا۔

☆ فارغین جامعہ سے روابط قائم کرنا جو تنظیم بالکل نئی تھی اور اس کے بیشتر فارغین جامعہ میں نہیں تھے اس لیے اس بات کا اندیشہ تھا کہ یہ تحریک جمود کا شکار نہ ہو جائے۔ اس لیے یہاں رہتے ہوئے جامعہ میں فارغین جامعہ اور جمعیۃ الطلبہ کے مسؤلین سے خط و کتابت کے ذریعہ سے احوال معلوم کرنا اور ممکن حد تک ان کا تعاون کرنا۔ ان روابط میں کئی شعبوں پر کام کیا گیا۔

انجمن کے ذمہ داروں سے ربط اور ان سے خط و کتابت جن میں مولانا نور محمد فلاحیؒ سرفہرست تھے، وہ نہایت ہی سرگرم تھے اور ان سے خطوط کے ذریعہ روابط رہے۔

آیئے! خطوط کی روشنی میں جامعہ کے چند جانثاروں کی خدمات کا ایک جائزہ لیں۔ اور جامعہ کی تعلیم و تربیت میں ان کا حصہ اور ان کی دل چسپیوں پر ایک 'رپورتاژ' پیش کرتے ہیں جو میرے دل کی دھڑکن بن گئی ہے۔ یہ خطوط مجھے ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۷ء تک موصول ہوئے ہیں۔ یوں تو جانثاروں کی ایک لمبی فہرست ہے، ظاہر ان کا ڈیٹا جمع کرنا ہم سب کا کام ہے میرے ریکارڈ میں یہی لوگ موجود ہیں۔

اس سے ایک فکری روشنی پڑے گی اور انجمن کے سلسلہ میں ان کی فکرمندی اور اس کے استحکام میں ان کے بھرپور جدوجہد کے بارے میں آپ کے علم میں اضافہ کا ایک باب کھولنا چاہتا ہوں:

مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی

مولانا رحمت اللہ اثری جامعہ کے لیے جدوجہد اور فکرمندی کی ایک بہترین مثال ہیں اور زمانہ طالب علمی سے لے کر اب تک جامعہ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ گویا دوسرا مرکز مدینہ منورہ تھا جہاں مولانا رحمت اللہ اثری صاحب اپنے کلیہ سے فراغت کے بعد ماجستر میں داخلہ لیا تھا۔ وہ بھی وہاں رہتے ہوئے جامعہ کے لیے فکرمندی کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

وہ ایک خط میں لکھتے ہیں جس سے اندازہ لگانا آسان ہوگا کہ مولانا جامعہ اور انجمن کے لیے کس

قدر فکر مند رہتے۔اس خط سے جامعہ کے اس دور کی مالی حالت اور دوسری چیزوں پر روشنی پڑتی ہے۔وہ لکھتے ہیں جب وہ چھٹی گزار کر مدینہ منورہ واپس جاتے ہیں: ''میں اس بار رمضان کے اخیر میں گھر جا سکا اور واپسی حج کے بعد ہوئی۔بلریا گنج گیا تھا اتفاق سے ان ہی دنوں انتظامیہ کی میٹنگ بھی تھی شریک ہونے کا موقع ملا۔بہت سارے مسائل [تھے جو] سبھی بحمد اللہ بحسن وخوبی انجام پا گئے۔دیہات (بلریا کے قرب وجوار) میں مکاتب کھولنے کی منظوری ہوئی،اساتذہ کی تنخواہ میں قابل ذکر اضافہ ہوا،ابتدائی ثانوی اور نسواں جو قریب قریب مرکزی صدارت سے بے نیاز ہوا چاہتے تھے پھر سے ان کو تابع اور ہمنوا بنایا گیا وغیرہ۔'' مزید وہ لکھتے ہیں ''منشی انور صاحب عملی آدمی ہیں(۶)،زیادہ سے زیادہ وقت مدرسہ کے لیے نکالتے ہیں ان کو سیاست سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔وہ کہتے ہیں کہ میں تو کچھ کرنے کے کئے آیا تھا،لیکن لوگ بجائے کچھ کام لینے کے یا تعاون کرنے کے ٹانگ پکڑ کر کھینچنا چاہتے ہیں، مجھے سیاست نہیں آتی اور میں ان چکروں میں پڑنا بھی نہیں چاہتا زیادہ پریشان کریں گے تو میں سب چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ رہوں گا۔ہم لوگوں نے ان کو کافی ہمت دلائی اور یہ بھی کہا کہ کام کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ لوگوں کی سیاست کا جواب سیاست ہی کی زبان میں دینا بھی ضروری ہے۔''

مزید لکھتے ہیں: ''خدا کا شکر ہے طلبہ کے بہت سارے مسائل کی طرف توجہ ہوئی ہے، حتی کہ وہ مسائل جو برسوں سے ٹلتے آرہے تھے محض تھوڑی سی توجہ سے حل ہو گئے ہیں۔اساتذہ کے مسائل کی طرف بھی توجہ دی جارہی ہے،ان شاء اللہ بہت جلد سبھی حلقے کسی نہ کسی حد تک مطمئن ہو جائیں گے۔''

پھر لکھتے ہیں: ''لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک بہت اہم مسئلہ مالیہ کا اٹھ کھڑا ہوا ہے ضرورت ہے سامنے کے پروگرام کو صحیح طور پر چلانے کے لیے مالیات مضبوط ہو۔اس سلسلے میں ہم باہر رہنے والے والوں کی ذمہ داری بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے،ہم نے رمضان میں کچھ کوشش کر کے بعض کام کئے لیکن شیخ بن باز تک آکر معاملہ اٹک گیا ہے۔ان سے توصیہ حاصل ہو جائے تو پھر بڑی حد تک یہ کام انجام پا سکتا ہے، اور اس کے لیے ہم لوگ کوشش کر رہے ہیں۔مسئلہ یہ ہے کہ اس کام کے لیے کسی کو ایک ماہ تک ریاض کی خاک چھاننی ہو گی تب کہیں جا کر یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے اور اتنی لمبی فرصت حاصل کرنا آسان نہیں ہے۔'' (اس مکتوب میں تاریخ نہیں لکھی ہے البتہ یہ خط ۱۹۸۳ء کا ہے اور مولانا نے مدینہ منورہ سے لکھا ہے)

مولانا سلامت اللہ اصلاحی

مولانا بے پناہ محبت و اخلاص کے نمونہ اور جامعہ کے لیے اپنی زندگی صرف کردی۔ مدینہ یونی ورسٹی سے فراغت کے بعد مولانا سلامت اللہ اصلاحی صاحب مکہ مکرمہ میں جامعہ ام القری میں ماجستر میں داخلہ لیا۔ اس طرح یہ تیسرا مرکز بن گیا جہاں سے مولانا سلامت اللہ اصلاحی مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے اور ہمیں رہ نمائی کرتے رہے۔ جب مکہ میں تھے تو جامعہ کے پروجکٹ کو آپ ہی ڈیل کرتے تھے اور تمام مخیّرات حضرات کو خطوط لکھنا آپ کا کام تھا۔ ان کے طویل خطوط میرے پاس موجود ہیں، یہ مضمون اس بات کا متحمل نہیں کہ ان تفصیلات کو لکھا جائے۔ لیکن چند باتیں لکھنی ضروری ہیں۔ وہ مکہ مکرمہ سے ایک خط میں یہ تحریر کرتے ہیں: ''عرصۂ دراز سے آپ کو خط لکھنے کا پروگرام بنا رہا ہوں، خیال تھا کہ چھٹیوں میں لکھوں گا لیکن اس سال تو چھٹیوں کی مصروفیات کا آپ کو علم ہو ہی گیا ہے، جس کی وجہ سے حرم کے روزوں اور تراویح و قیام لیل کی سعادتوں سے اکثر محرومی ہی رہی۔ پورا رمضان سفر میں گزرا، ہاتھ پیر تو کافی مارا گیا۔ کامیابی ہم لوگوں کے نزدیک تو اسی تگ ودو کا نام ہے۔ چوں کہ پہلا سال تھا اس لیے تجربات زیادہ اور فلوس کم حاصل ہو سکے، بہت سی جگہوں پر مراجعہ چل رہا ہے۔ مساجد والا سلسلہ بہت مفید رہا اگر وہ چلتا رہے اور ساری بڑی مساجد میں یہ پروگرام چلایا جائے تو اچھی خاصی رقم جمع ہو سکتی ہے۔ ہم لوگوں نے حتی الوسع شعبان کے آخری ہفتے سے رمضان کے تین ہفتوں تک اس پروگرام کو چلایا، چوں کہ ہمارے پاس افراد کافی تھے اس لیے عموماً کم از کم تین مساجد میں ہر جمعہ کو پروگرام رہتا تھا۔ اس دوران ''مکتب مكافحة التسول'' والوں نے پریشان بھی کیا اور قید و بند کا مرحلہ بھی آیا، بعض ساتھی ایک آدھ گھنٹے کے لیے پکڑ کر مکتب لے جائے بھی گئے، لیکن ڈگری ہم لوگوں کی رہی۔ اس کے برعکس ڈاکٹر حمید اللہ صاحب وغیرہ (۷) جدہ میں اسلامک فاؤنڈیشن (۸) کے لیے کام کرتے ہوئے پکڑے گئے اور چوبیس گھنٹوں کے بعد اور/ دوڑ دھوپ کرنے کے بعد چھوڑے گئے۔ اسی وجہ سے جدہ میں یہ اسکیم نہیں چلائی جا سکی'' (مکتوب کی تاریخ ۱/۱۱/۱۴۰۳ھ مکہ مکرمہ سے) اس خط سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے مولانا مکہ مکرمہ میں دوران تعلیم بھی جامعہ کے لیے کس قدر تگ ودو میں لگے رہے۔

مرکز اول جامعۃ الفلاح سے ہمارے اساتذہ کے خطوط موصول ہوئے جو ہمارے کام میں مہمیز

لگانے میں بہت ممد ومعاون ثابت ہوتے تھے۔

مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب جب صدر مدرس تھے اس وقت ان کے تین خطوط موصول ہوئے اور صرف جامعہ کی تعمیر وترقی سے متعلق ہیں۔

مولانا عبدالحسیب اصلاحی

مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب سرپرستی اور دل سوزی کے پیکر بن کر جامعہ اور انجمن کی رہ نمائی کرتے رہے اور ہمیں ہمت بندھاتے رہے، جنھوں نے اپنی زندگی جامعہ کی بےلوث خدمت میں تج دی، وہ لکھتے ہیں:

''عزیز مکرم!

وعلیکم السلام

آپ کے خطوط پہلے بھی ملے تھے اور پرسوں بھی ایک ملفوف کاغذات وغیرہ کے ساتھ موصول ہوا۔ مجھے ندامت ہے کہ میں اس سے قبل جواب نہ لکھ سکا۔ یہاں سب خیریت ہے۔ مدرسہ روبہ ترقی ہے۔ آپ حضرات کی کوششیں لائق ستائش ہیں۔ مکہ سے بھی احباب نے کوشش کی ہے۔شرکۃ الراجحی سے۔ موصول ہوا ہے۔کویت سے بھی بعض احباب نے کچھ تعاون فرمایا ہے۔ مالی حالات مدرسے کے اچھے نہیں ہیں بس گاڑی چل رہی ہے۔ ابتدائی وثانوی کے کمرے تیار ہو گئے ہیں۔یعنی پورب وشمال کے کونے پر جو عمارت تھی اسی پر دوسری منزل تعمیر کردی گئی ہے۔اس طرح ابتدائی اور ثانوی درجات کا کام چلایا جائے گا۔پچھّم والی عمارت میں نیچے بڑے طلبہ کا قیام اور اوپر اعلی درجات کی تعلیم کا نظم کیا گیا ہے۔

میں نے عبداللہ علی مطوع؈ (۹) کو ویزا کے لیے لکھا تھا لیکن نہ جانے کیوں انھوں نے وزارت اوقاف کی طرف مراجعت کی بات لکھ دی، وہاں لکھا تو جواب ندارد۔آپ کوئی کوشش کریں تو بندہ کویت کے سفر کے لیے آمادہ ہے۔کل مولوی سلامت اللہ صاحب کا خط آیا ہے۔ان کے والد صاحب کا یکم جنوری کا مدینہ میں انتقال ہو گیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔'' (خط پر تاریخ نہیں ہے البتہ یہ خط ۱۹۸۳ء کا ہے اس لیے کہ مولانا سلامت اللہ اصلاحی صاحب نے اپنے والد محترم کے انتقال کی خبر ۵ جنوری ۱۹۸۳ء کو دی تھی)

مولانا کا دوسرا خط موصول ہوا جس میں وہ ہمیں توصیفی کلمات سے نوازتے ہیں اور ہماری ہمت

کے اندر ایک حوصلہ پیدا کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

عزیز مکرم! وعلیکم السلام

آپ کا خط ملا خیریت معلوم کرکے از حد مسرت ہوئی۔ سبھی لوگ اپنی اپنی طاقت بھر مصروف خدمت ہیں۔ آپ لوگوں کی کوششیں ہمارے لیے انتہائی حوصلہ افزا ہیں۔ خدا آپ تمام لوگوں کو اس کا صلہ عطا فرمائے۔

عزیزی مزمل وشار (۱۰) دونوں ششماہی امتحان میں کامیاب ہیں۔

والسلام

عبدالحسیب

یہاں یہ بات ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ مجھے یہاں آتے ہی مولانا صدرالدین اصلاحیؒ نے جو اس وقت جامعہ کے ناظم تھے جامعہ کی طرف سے نمائندہ بنا دیا تھا اور عربی اور انگریزی دونوں زبانوں میں ''توکیل نامہ'' مجھے لکھ کر بھیجا تھا۔ یہ وکالت نامہ مولانا سلامت اللہ اصلاحی صاحب نے مزید دوسرے کاغذات کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ارسال کیا تھا۔ یہ بھی بتا چلوں کہ مولانا نے اپنا نائب محترم منشی انور صاحب کو بنایا تھا جو روزمرہ کے کاموں کو دیکھا کرتے تھے۔ جن کا ذکر مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب اور مولانا رحمت اثری صاحب کے خطوط میں موجود ہے۔

مولانا نور محمد فلاحیؒ

ہمہ جہتی کام کرنے والی شخصیت جس نے تنظیم کو اپنی محنتوں سے مستحکم کیا اور سوز دل کے ساتھ لازوال خدمت کی۔ ان سے برابر رابطہ رہا اور جامعہ اور انجمن کی خبریں ان کے ذریعہ سے ملتی تھیں۔ ایک خط ان کا ملاحظہ ہو:

(خط انجمن کے لیٹر ہیڈ پر ہے۔)

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۴۰۴/۱/۱۷ھ

۸۳/۱۰/۲۴م

برادر محترم ومکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ مع متعلقین بخیر ہوں، سب سے پہلے یہ [آ] پ سے معافی مانگتا ہوں کہ میں ایک عرصہ سے کوئی خط نہ لکھ سکا۔ رمضان کے شروع میں آپ کا خط آیا تھا اور میں بھی سفر پر جا رہا تھا تو دوران سفر سیونی سے آپ کو ایک خط لکھا تھا۔ اس کے بعد آپ کو کوئی خط نہ لکھ سکا اس میں میری کوتاہی کو زیادہ دخل ہے اس لیے معافی چاہتا ہوں امید کہ معاف فرمائیں گے۔ شاید آپ کا ہی کوئی خط نہیں آیا، البتہ مختلف ذرائع سے آپ کی خیر و عافیت ملتی رہتی تھی۔ پھر اخبار کے ذریعہ آپ کی مشغولیت کا علم تھا۔ مشن (۱۱) کی جانب سے جو کانفرنس ہوئی تھی اس کی وجہ سے آپ بہت زیادہ مشغول رہے ہوں گے۔ خدا کرے سب کام بحسن وخوبی انجام پا چکا ہو، کانفرنس جس مقصد کے لیے کی گئی تھی اس میں خاطر خواہ کامیابی نصیب ہو۔ آج جناب مولانا ابواللیث صاحب امیر جماعت تشریف لائے تھے۔ ایک پروگرام رکھا گیا تھا تو اس وقت آپ کا ذکر آ گیا، ویسے دو تین روز سے خط لکھنے والا تھا۔ کیونکہ گزشتہ ہفتہ میں برادرم طارق جمیل صاحب (۱۲) کا ایک خط ملا، جو شاید دو ماہ قبل کا لکھا ہوا تھا۔ اس میں انھوں نے لکھا تھا کہ انجمن کی جانب سے میں ایک شکریہ کا خط صدر کے نام روانہ کر دوں، چنانچہ وہ شکریہ کا خط لکھ کر روانہ کر رہا ہوں۔ برائے کرم آپ اگر ضرورت سمجھیں تو پیش فرما دیں گے کیونکہ بہت تاخیر ہوئی۔ ادھر میری بد قسمتی یہ کہ جب سے دو سالہ اجلاس ہوا اس کے بعد ہی سے مسلسل سفر پر ہوں۔ بقرعید سے پہلے ایک ماہ بمبئی میں رک گیا، بقرعید بعد واپسی ہوئی ہے۔ اب جامعہ کے مختلف کام ہوتے ہیں جو بھی کام ہو کرنا پڑتا ہے۔ سفر وغیرہ کی وجہ سے نہ تو کسی فلاحی سے یہاں ربط رہ سکا اور نہ ’حیات نو‘ کا کام کر سکا۔ پرچے کا مسئلہ ایسا ہے جب تک اس کے لیے کوئی مستقل آدمی نہ ہو کام نہیں ہو سکتا، یہاں جتنے لوگ ہیں، مشغول ہیں۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ ویسے آج میں ابوالمکارم صاحب کو خط لکھ رہا ہوں، آپ کے پاس تو پرچے پہنچتے نہیں جب کہ ڈاک خانہ سے معلوم کر کے اس کے بتانے کے مطابق ٹکٹ لگا کر ہر ماہ دو پرچے روانہ کیے ہیں مگر برادرم طارق صاحب کے خط کے ذریعہ معلوم ہوا کہ آپ کے پاس نہیں پہنچ رہا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ جامعہ میں سب لوگ بخیر ہیں، ابتدائی وثانوی کی دو منزلہ درس گاہ کی عمارت تو بن چکی ہے اب تقریباً پلاسٹر بھی ہو چکا ہے، خدا کرے جلد از جلد بورڈنگ کی بھی بنیاد رکھی جا سکے۔ مولانا ابواللیث صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ مولانا مطیع اللہ صاحب اور شعیب احمد بن مفتی ظہور احمد صاحب ندوی کا بھی کام ہو گیا ہے اور وہ لوگ جلد جامعۃ الفلاح آ رہے ہیں، خدا کرے آ جائیں۔ اس طرح

اب ۵ مبعوثین ہو جائیں [گے]۔طاہر صاحب تو اس سال آ گئے ہیں، اب آپ لوگوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، مولانا عبدالحسیب صاحب اکثر و بیشتر آپ لوگوں کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔کیا کوئی صورت نکل سکتی ہے کہ آپ یہاں آسکیں؟ ویسے آپ تو خود ہی سوچتے ہوں گے۔ مولانا سلامت اللہ صاحب کے یہاں مکہ میں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ہاں آپ کو بھی مبارک ہو، اب تک مجھے معلوم نہیں تھا اسی ہفتہ میں کسی نے بتایا کہ آپ کے یہاں بھی بچہ پیدا ہوا ہے۔(۱۳) مزمل سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ تو ماشاءاللہ ۷ ماہ کا ہو گیا ہے۔

مزمل سلمہ بخیر ہیں۔(۱۴)

ہمارے گھر سب لوگ بخیر ہیں۔عمران صاحب، انصار صاحب خیریت سے ہیں، لوگ سلام کہہ رہے ہیں۔میرا اسلام قبول فرمائیں اور ساتھیوں کو [بھی] عرض کریں۔

والسلام، طالب دعا

نور محمد فلاحی

مولانا مطیع اللہ فلاحی

مولانا مطیع اللہ فلاحی مدرسہ کی ترقی و تعمیر کے لیے سرگرم رہتے تھے اور جو بھی ذمہ داری دی گئی اسے قبول کیا اور اس میں لگ گئے۔مولانا انجمن کے کاموں میں سرگرم رہے جب مدینہ منورہ میں تھے اس وقت بھی خط و کتابت کا سلسلہ تھا اور جب وہاں سے فراغت کے بعد جامعۃ الفلاح میں تدریسی خدمات انجام دینے کے لیے پہنچے تو انجمن کی سرگرمیوں میں لگ گئے۔وہ مجھے یہ خط لکھتے ہیں:

''امید ہے بخیر ہوں گے۔آپ کا مرقومہ موصول ہوا اور کوائف سے آگاہی ہوئی مولانا عبدالحسیب صاحب باقاعدہ مستعفی ہو چکے ہیں اور عاملہ کی انتہائی کوششوں کے باوجود استعفی واپس لینے پر راضی نہیں ہوئے بالآخر مجبور ہو کر عاملہ نے ان کا استعفی منظور کر لیا اور ان کی جگہ پر مولانا ابوبکر صاحب صدر مدرس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ویسے ان کے استعفی سے متعلق آپ نے جن اندیشوں کا اظہار کیا تھا وہ صدفی صد صحیح ہیں۔''

انجمن کے بارے میں لکھتے ہیں: ''ابھی انجمن کی شوریٰ کا اجلاس ہوا تھا، جس کی کارروائی کی کاپی بھی روانہ کر رہا ہوں۔فروری میں انجمن کا دو سالہ اجلاس ہونے جا رہا ہے۔توقع ہے آپ اس میں

شریک ہوسکیں گے۔ حیات نو جنوری سے جاری ہو چکا ہے۔ جو آپ لوگوں کے لیے روانہ کیا جا چکا ہے، طارق فلاحی گورکھپوری کی خدمات ''حیات نو'' کے اڈیٹر کی حیثیت سے حاصل کر لی گئی ہیں۔ اب آپ لوگوں کے قلمی تعاون کی ضرورت ہے۔ ویسے حیات نو انشاء اللہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو پوسٹ ہوتا رہے گا۔ دوسرا فروری کا شمارہ بھی جلد ہی چھپ کر آ جائے گا۔ دو سالہ اجلاس کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں، فنڈ کی فراہمی وغیرہ کے سلسلے میں کوشش جاری ہیں توقع ہے آپ لوگ بھی اس میں کچھ حصہ لیں گے۔

حیات نو کے سلسلے میں بہت سے لوگوں نے ماہانہ تعاون اپنے ذمہ لیا ہے۔ ہمارا خیال ہے آپ لوگ بھی اس کارِ خیر میں ضرور حصہ لیں اور ماہانہ حیات نو کے لیے کچھ متعین کریں'' (خیر اندیش، مطیع اللہ فلاحی)

مولانا محمد عمران فلاحی

مولانا محمد عمران فلاحی صاحب مدرسہ کے تعلیمی معیار کو بلند کرنے کے لیے فکر مند اور اس کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور ابھی تک جامعہ کی تدریسی خدمات میں لگے ہوئے ہیں۔

مولانا محمد عمران فلاحی صاحب میرے خط کا جواب دیتے ہوئے مدرسہ کے احوال بتاتے ہیں:

''آپ نے جو اس طرف ذہن موڑا ہے کہ معیار تعلیم بہت گر رہا ہے تو اس کا مجھے بھی اعتراف ہے۔ میں بار بار یہاں کے اساتذہ وطلبہ سے کہتا رہتا ہوں لیکن پتہ نہیں کیوں اثر نہیں ہوتا۔ میں نے ان کے سامنے بار بار یہ تمام باتیں تفصیل سے [رکھیں] کہ اس سے قبل طلبہ اپنی محنت ولگن اور اساتذہ کے خلوص کی وجہ سے جو صلاحیت پیدا کر لیتے تھے آج وہ صلاحیت نہیں پیدا ہو رہی ہے جب کہ پہلے طلبہ درختوں کے سائے اور برآمدوں میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اب ہر کلاس کے لیے بہترین پختہ کمرہ دستیاب ہے۔ پہلے طلبہ چھپروں اور گرمی سے پریشان کی حالت میں رہتے آج وہ پنکھوں کے نیچے ہوا کھاتے ہوئے درس میں مشغول رہتے ہیں اور اس سے قبل طلبہ لالٹین جلا کر پڑھتے تھے اور اب بجلی کے بلب جلتے ہیں۔ گویا پہلے کے مقابلے میں آسانیاں زیادہ ہوگئی ہیں لیکن تعلیمی معیار بہت ہی گر گیا ہے۔ جب کہ پہلے اساتذہ ہندوستانی مدارس سے عالم یا فاضل کی سند لے کر تعلیم دیتے تھے، اب تو عرب ممالک سے اونچی اونچی ڈگریاں حاصل کر کے آئے ہیں، اب تو تعلیمی معیار اونچا ہونا چاہیے تھا۔ لیکن میں دیکھتا

ہوں کہ اس سے کم معیار ہورہا ہے۔اس کی کیا وجہ ہے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔'' اسکے علاوہ مدرسہ کے دوسرے مسائل کا ذکر کیا ہے یہ ایک طویل خط ہے ۔ یہ مکتوب ۲۰۱۹/۱۱/۱۶ کا لکھا ہوا ہے۔

ان معروضات کے بیان سے مقصد یہ ہے کہ انجمن کے تمام فلاحی اس پودکو اپنے دل و جان سے عزیز رکھتے تھے اور رکھتے ہیں اور اس کی تعمیر و ترقی میں اپنا حصہ ادا کررہے ہیں اور اس انجمن کی ایک عظیم برکت ہے کہ اس کے ذریعہ مل کر مدرسہ کے لیے فلاح و بہبود کا کام کرہے ہیں۔اور طلبہ کی تعلیم و تربیت میں ہر ممکن بہتری پیدا کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔

جمعیۃ الطلبہ کے سیکریٹریز

جمعیۃ الطلبہ کے سیکریٹریز اور لائبریرین کی طرف سے ۱۹۸۲ء سے لے کر ۱۹۸۷ء تک روابط رہے۔ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔سمیع احمد ایوبی فلاحی (۱۵)
۲۔اطہر احسن مستقیمی فلاحی (۱۶)
۲۔عبدالحی فاروق فلاحی (۱۷)
۳۔محمد حسن حبیب فلاحی
۴۔عبدالبر اثری فلاحی (۱۸)
۶۔عبیدالرحمان فلاحی (۱۹)

ان تمام فلاحیوں سے خط و کتابت ہوئی اور ان کے خطوط میرے ریکارڈ میں موجود ہیں، جو جمعیۃ الطلبہ کی تعمیر و ترقی سے متعلق ہیں۔سب ہی حضرات وقت کے ساتھ اٹھنے والے مسائل سے دل چسپی لیتے ہیں اور انھیں حل کرنے بھی کوشش کرتے ہیں۔میرے پاس دو جوابات کی کاپیاں تھیں۔میں نے جو جوابات دیے، وہ درج ذیل ہیں۔اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انجمن کے قیام کے بعد ہم لوگ جامعہ کی ترقی کے لیے اپنا کتنا وقت دے رہے تھے اور کتنی دل چسپی کا اظہار کرتے رہے اور کررہے ہیں۔

''لندن

۱۳نومبر۱۹۸۳م

برادرعزیزسمیع ایوبی صاحب

سیکریٹری جمعیۃ الطلبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط ملا،لیکن حیرت ہوئی کہ ابھی تک میرالفافہ آپ کونہیں ملا ہے،اگراب تک کوئی لفافہ نہیں پہنچا ہو تو فوراً خبرکریں۔

یہ میرے لیے بہت ہی مسرت کی خبر ہے کہ میں کوئی بھی خدمت آپ لوگوں کی کرسکوں اور مجھ سے جوبھی کام لینا چاہیں اور جس قسم کا بھی تعاون حاصل کریں اس کے لیے ہروقت تیارہوں، بلکہ میں اس سلسلہ میں بہت ہی سوچتا ہوں اور یہاں آنے کے بعد خاص طور سے آپ لوگوں کے بارے میں سوچتا ہوں اوراپنے تحریکی ساتھیوں سے گفتگو بھی کرتا ہوں۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ لوگ اپنے طور سے اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے مختلف پروگرام مرتب کررہے ہیں، یقیناً اس طرح کے اقدامات آپ کے لئے اورآپ کے ساتھیوں کے لیے مشعل راہ ہوں گے۔

انجمن طلبہ قدیم کے اجلاس کا پروگرام تین ہفتہ قبل مل چکا ہے۔اس میں جمعیۃ الطلبہ کے اجتماع اور تقسیم انعامات کا بھی پروگرام ہے،اس کے علاوہ اسی سال مزید انعامی پروگرام آپ لوگوں نے طے کر لیا ہے بہت اچھی بات ہے۔اس سلسلہ میں آپ نے کیا سوچا ہے۔

انعامات کی نوعیت کیا ہوگی؟ بہتر ہوتا کہ مجھے بھی اس سالانہ انعامی مقابلہ کے پروگرام سے آگاہ کرتے، انعامی مقابلہ تحریری ہوگا یا تقریری یا دونوں؟ آپ مجھے فوراً تفصیلات سے آگاہ کریں۔اور کتنے انعامات رکھنا چاہتے ہیں، مجھے قوی امید ہے آپ نے اس سلسلہ میں ضرور تفصیلی خاکہ بنالیا ہوگا۔

آپ اس سلسلہ میں پہلا کام یہ کریں[کہ] انعامات کی مقدار طے کریں اوراپنے فلاحی ساتھیوں کو جومختلف ملکوں میں موجود ہیں ان سے رابطہ کریں اورانھیں لکھیں کہ ہم نے یہ طے کیا ہے،انعامات کی مقدار یہ ہے۔ہم آپ سے اتنا چاہتے ہیں،اوراس سلسلہ میں شرمانے کی کوئی ضرورت نہیں،سب آپ

کے بھائی ہیں۔اور یہ تمام باتیں اپنے طور سے طے نہ کریں،طلبہ واساتذہ کے مشورہ سے اسکیم مرتب کریں،ان شاءاللہ ترقی قدم چومے گی۔

''الفلاح'' کی اشاعت کا خیال ہے، بہت عمدہ خیال ہے اور عمدہ حوصلہ ہے۔اس حوصلے کی آبیاری آپ کن طریقوں سے کر رہے ہیں مجھے نہیں معلوم ہے مگر ضرور کچھ باتیں آپ کے سامنے رکھوں گا۔''الفلاح'' کی اشاعت کے لیے سب سے پہلے اس کے مواد کا مسئلہ سامنے آئے گا۔اس لئے آپ کو کافی محنت اور پیہم کوشش کرنی ہوگی، اسکی تفسیر ہم یوں کر سکتے ہیں کیا جمعیۃ الطلبہ کا ماہانہ میگزین اردو عربی میں نکل رہا ہے؟اس میں طلبہ کس قدر حصہ لیتے ہیں۔اگر ایسا ہے کہ طلبہ اس کی طرف اپنی توجہ مبذول کر رہے ہیں اور محنت کر کے مضامین،ترجمے وغیرہ کر رہے ہیں تو پھر''الفلاح'' نکلتا ہوگا اور ہر ماہ دو تین مضمون تو ضرور ایسے ہوں گے کہ ان کی اصلاح و ترمیم کے بعد کسی رسالہ میں چھپ سکیں۔سال بھر میں''الفلاح'' کے چار شمارے نکل جائیں تو آپ کو چھاپنے کے لیے مضامین مل جائیں گے۔اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو ظاہر ہے آپ مضامین کہیں سے حاصل کریں گے،طلبہ بھی کسی طرح لکھ کر آپ کو دے سکتے ہیں،لیکن دونوں صورتوں معیار کافی بدلہ ہوگا۔

آپ اس کے لیے ابھی سے کوشش کیجیے اور طلبہ سے کہیں کہ''الفلاح'' کے سال بھر میں پانچ شمارے نکلیں گے اور ان ہی پانچ شماروں کو سامنے رکھ کر''الفلاح'' کے لیے مضامین لیے جائیں گے اور اس سلسلہ میں آپ یہ بھی قدم اٹھائیں مختلف درجات کو مختلف عنوانات دے دیں۔مثلاً سیاست، معاشیات،سیرت،اجتماعیات،تحریک اسلامی،تاریخ ہند وغیرہ وغیرہ۔

اس میں مزید کشش پیدا کرنا چاہیں تو یہ بھی آپ کریں کہ انعامی مضامین ہی [-] الفلاح میں شائع ہوں گے۔اس طرح سے کثرت سے طلبہ لکھیں گے، اسی انداز سے آپ سوچیں اور پلان کو عملی جامہ پہنائیں۔ میں نے (Impact)(۲۰) جاری کروادیا ہے ضرور مل رہا ہوگا،قوی امید ہے تیسرا شمارہ بھی پہنچ گیا ہوگا۔''اذان'' اور ''ینگ مسلم'' (۲۱) کو لکھ دیا ہے۔دوبارہ یاد دلا دوں گا۔مزید کے لیے کوشش میں ہوں۔

ایک تجویز ہے۔وہ یہ کہ آپ باہر رہنے والے تمام فلاحیوں کو چاہے وہ پڑھ رہے ہوں یا شغل کر رہے ہوں بلا استثناء سبکو ان کے پتہ پر علیحدہ علیحدہ جمعیۃ الطلبہ کی سرگرمی،ضروریات، پروگرام ہر دو ماہ پر آگاہ

کرتے رہیں، آپ یقین جانیں اس سے ہر فلاحی آپ کا ہر ممکن تعاون کرے گا، صرف کسی خاص موقع سے یاد کرنا نفسیاتی طور پر غلط اثر پڑتا ہے، اس سلسلہ میں اگر آپ کو کوئی مشکل نظر آرہا ہو تو مجھے لکھیں میں آپ کو مزید صورت بتلاؤں گا یا آپ وہیں اپنے اساتذہ کرام اور بڑے ساتھیوں سے مشورہ کریں۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ آپ کے پاس جتنی کتابیں ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے ایسا نصاب بنایئے کہ عربی اول سے لے کر عربی ہشتم تک طلبہ صحیح معنوں میں استفادہ کرسکیں۔ اس سے میری مراد یہ ہے کہ عربی اول کے لیے ہر فن کا ایک نصاب تیار کیجیے، کہ، تاریخ کی یہ یہ کتابیں، سیرت کی یہ یہ کتابیں، اجتماعیات کی یہ یہ کتابیں، ہی نکال سکتے ہیں، اسی طرح عربی دوم کے طلبہ، سوم کے طلبہ، چہارم کے طلبہ، پنجم کے طلبہ، ششم کے طلبہ، ہفتم اور ہشتم کے طلبہ۔

ہوتا یہ ہے کہ ایک عربی اول کا طالب لائبریری میں داخل ہوتا ہے، الماری کے سامنے علامہ شبلیؒ کی کتاب نظر آئی اس پر غور کیے بغیر نکال لیتا ہے اور ایشو بھی ہو جاتی ہے، وہ پڑھ کر واپس بھی کر دیتا ہے، آپ خود ہی سوچیے کہ وہ اس بلند پایہ مصنف کی کتاب سے کتنا فائدہ اٹھائے گا۔ یہ کام وقت چاہتا ہے اور یہ فوراً ہو بھی نہیں سکتا اس لیے ایک کمیٹی تشکیل دیجیے، سب کا تعاون حاصل کر کے ہر ہر درجہ کا خارجی مطالعہ کا نصاب بنایئے۔

امید کہ انجمن کے اجلاس کی تیاریاں پائے تکمیل تک پہنچ چکی ہوں۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اجلاس کو کامیاب بنائے، شرکاء زیادہ سے زیادہ آئیں۔ آنے والے ساتھیوں کو سلام کہ دیں۔ اپنے حالات سے مطلع کریں۔ جواب کا انتظار رہے گا۔ اپنے ساتھیوں کو میرا سلام کہیں۔ آپ مطمئن رہیں ''الفلاح'' کے لئے ہر ممکن تعاون کروں گا۔ میرے خط کا فوراً جواب دیں اس کے بعد کچھ چیزیں لکھوں گا۔

فقط

والسلام، آپ کا بھائی

ظفر احمد الاثری

اس خط سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے انجمن کے قیام کے بعد ہم تمام سرگرم ہو گئے تھے۔ جو جس محاذ پر تھا اس نے بقدر استطاعت اپنی خدمت پیش کرنی پوری کوشش کی۔

ایک دوسرا خط میں نے یوں تحریر کیا جو محمد حسن فلاحی کو لکھا گیا ان کا خط مجھے میرے ریکارڈ میں نہیں ملا:

ظفر احمد الاثری

۲۸ جنوری ۱۹۸۵م

برادر عزیز محمد حسن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ آپ تمام لوگ بخیر ہوں گے۔ اب تو آپ لوگ انجمن کے اجلاس کی تیاریوں میں ہوں گے، اللہ تعالی اسے کامیاب بنائے۔ افسوس کہ میں شریک نہیں ہوسکتا۔ رضوان صاحب جارہے، ان سے پورا فائدہ اٹھائیں، لائبریری سے متعلق کچھ چیزیں اپنے ساتھ لے جارہے ہیں، ضرور آپ کے لیے مفید ہوں گی۔

لائبریری کی فہرست (۲۲) چھاپ کر بہت بڑا کام کیا ہے، اسی طرح کرتے رہا کیجیے۔ پتہ نہیں ''الفلاح'' نکلتا ہے یا نہیں اور ''الضیاء'' کا کیا حال ہے۔ اسی طرح انگلش پرچہ۔ ماہانہ نہیں تو سہ ماہی قلمی ضرور نکالئے، چاہے وہ ۲۰ صفحات کے ہوں۔ اس سے لڑکوں کے حوصلے اور صلاحیت بڑھتی ہے۔

لڑکوں کے خارجی مطالعہ کی طرف خصوصی توجہ دیں، بچوں میں لگ کر کام کریں اور انھیں سمجھائیں کون کون سی کتابیں آپ کو پڑھنی ہیں۔ کلاس وائز، تاریخ، سیرت، ادب، افسانے کی کتابیں متعین کر دیجیے اور [کلاس کے اعتبار سے] بچوں کو کتابیں ایشو کریں۔ تاریخ کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

پتہ نہیں اخبارات عصر بعد لڑکے پڑھتے ہیں یا نہیں۔ اس کی بھی حوصلہ افزائی بہت ضروری ہے، اس میں کمی ہمارے انحطاط کی دلیل ہے، حالات سے آگہی ہمارے لیے نہایت ہی ضروری ہے۔ اگر حالات سے واقفیت نہ ہو، خاص طور [پر] ہندوستان کے بارے میں تو ہم دعوت کا کام کیسے کر سکتے ہیں۔ آپ کی اور آپ کے دوسرے ساتھیوں کی بڑی ذمہ داری ہے کہ لڑکوں [کو] رسائل کا مطالعہ، اردو، انگریزی اور عربی میں ضرور کرائیں۔ اس سے صلاحیتیں بڑھتی ہیں۔ اس کی طرف خصوصی توجہ دیں، زیادہ سے زیادہ رسائل منگوائیں اور کتب خانہ کے لیے انجمن طلبہ قدیم کے اجلاس میں سالانہ بجٹ منظور کرائیں۔ کم از کم Rs5000/00 انجمن سے طلب کریں اور پورا زور دیں۔ اتنے ساتھی باہر رہتے ہیں کیا وہ نہیں کر سکتے ہیں۔ اصل میں آپ لوگ سست ہیں۔

اچھا بھئی اجازت دیجیے، اجلاس میں شریک ہونے والوں تمام فلاحیوں سے میرا سلام کہہ دیں گے۔تمام اساتذہ سے سلام کہہ دیں آپ تو جانتے ہوں گےعلم حاصل کرنے کے لیےاساتذہ کا احترام اوران کی عزت (بہت ہی) بنیادی پتھر ہے۔ورنہ علم حاصل نہیں ہوتا۔لڑکوں کواس کی تلقین کریں۔اپنا کام کریں اوردوسرا مسئلہ آپ نہ چھیڑے ہی نہ۔آپ کے پاس تو بہت کام ہے۔بات کرنے کی کہاں فرصت۔

''حیات نو'' بھیجنا نہ بھولیں گےاوراپنی سرگرمیاں۔

فقط والسلام آپ کا بڑا بھائی

ظفراحمدالاثری

یہ میراایک سرسری جائزہ ہے۔ضرورت ہےانجمن کی کارکردگی پربھرپور جائزہ ہو، جواب تک کے سالوں پرمحیط ہو،اسی کےساتھ ساتھ 'انجمن طلبہ قدیم' اور 'جمعیۃ الطلبہ' کی ڈائریکٹری شائع کی جائے۔

حواشی اورمراجع

ا،الف۔ ''بزم فلاح'' کا وجودانجمن کے قیام سے پہلے ہوااور یہ تجویز مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی کی طرف سے آئی کہ یہ نام وجود میں آنے والے انجمن کے لیے منتخب کرلیا جائے۔لیکن دستوری میٹنگ میں یہ نام پاس نہ ہوسکااوراس کا نام ''انجمن طلبہ قدیم'' سے بدل گیااور بالخصوص اس نام کومولانا ابواللیث صاحب اصلاحی وندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تجویز کی جودستوری میٹنگ میں شریک تھےاور یہ بات بہت اہم ہے کہ جب اس میٹنگ کا علم ہوا تو وہ اس میں شرکت کی آمادگی فوراً ظاہر کردی تھی۔مولانا شروع سے لےکرآخیر تک اس میٹنگ میں شریک رہےاور دستور کےنوک پلک کوٹھیک کروایا،ان کی نگاہ میں دستور بھاری بھرم تھا،اسی لیےانھوں نے اسے بہت ہی سادہ اور ہلکا بنایا۔

ا،ب۔ مجھےامید ہے جوجوابات موصول ہوئے وہ ضرورانجمن کے ریکارڈ میں ہوں گے۔

۲۔ یہ درس 'حیات نو' جنوری وفروری ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا۔

۳۔ ان کی تقریر 'حیات نو' جنوری وفروری ۱۹۷۸ء کے شمارہ میں شائع ہوئی ہے۔

۴۔ اجلاس کی رپورٹ مارچ ۱۹۷۸ء 'حیات نو' میں شائع ہوئی۔

۵۔ اس اجتماع کی کارروائی کی رپورٹ ''حیات نو' مارچ ۱۹۷۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔لیکن اس پورے اجتماع کی کارروائی کی رپورٹ راقم نے ہر ہر مجلس کی لکھی تھی،لیکن وہ معلوم کرنے پتہ چلا ہوا وہ

سب ریکارڈ سے غائب ہو چکے ہیں اور کہیں بھی محفوظ نہیں اور خطبہ استقبالیہ دو قسطوں میں شائع ہوا پہلی قسط 'حیات نو' جنوری وفروری ۱۹۷۸ء کے شمارہ میں اور دوسری قسط 'حیات نو' مارچ ۱۹۷۸ء میں موجود ہے۔بعض حروف واضح نہ ہونے کی وجہ سے انھیں بریکٹ میں ان کے سیاق وسباق کے ہم معنی لفظ کو سمجھ کر لکھ دیا گیا ہے۔ ویسے یہ بہت ہی کم جگہوں پر ایسا ہوا ہے، دراصل شروع میں حیات نو کی طباعت 'سائیکلو اسٹائل' پر ہوتی تھی جسے ماسٹر اافضال احمدؒ جامعہ کے انگریزی استاذ نے ایجاد کیا تھا۔اس زمانہ میں کم خرچ کی چھپائی تھی اس کی پائداری بہت مستحکم نہیں تھی اس لیے اس کی روشنائی جلد ختم ہونے میں وقت نہیں لگتا تھا یہی حشر 'حیات نو' کیساتھ ہوا۔

۶۔ نائب ناظم تھے۔

۷۔ اس وقت علی گڑھ میں مقیم ہیں اور رکن جماعت اور ثانوی درس گاہ رامپور کے ہونہار طالب علم تھے اور پروفیسر نجات اللہ صدیقی کے صاحب ساتھیوں میں ہیں اور وامی (ورڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ جدہ وریاض) میں انگریزی شعبہ کے ذمہ دار تھے۔

۸۔ انگلینڈ کے لیسٹر شہر میں ایک علمی تعلیمی اور تحقیقی ادارہ جس کا قیام ۱۹۷۳ء میں عمل میں آیا۔

۹۔ کویت کے اخوانی رہنما اور شیخ حسن البناؒ کے افکار سے متاثر اور ۱۹۴۶ء میں مکہ مکرمہ میں ان سے ملاقات کی، 'المجتمع'، کویت ہفتت روزہ کے بانیوں میں سے تھے اسی طرح 'جمعیۃ الارشاد الاسلامی' اور 'جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی' کے تاسیسی رکن تھے آپ کا انتقال ۳ستمبر ۲۰۰۶ مطابق ۱۰ شعبان ۱۴۲۷ھ میں ہوا مولانا عبدالحسیب اصلاحی صاحب ان ہی کے مہمان ہوا کرتے تھے۔

۱۰۔ مزمل ہمارے چھوٹے بھائی اور فلاحی ہیں اور پیشہ سے ڈاکٹر ہیں اور نثار ہمارے گاؤں کے طالب علم تھے اور فلاحی ہیں اور علی گڑھ سے اردو ڈیپارٹمنٹ سے پی ایچ ڈی کیا ہے اور فتح پور میں ملازم ہیں۔

۱۱۔ پورا نام 'یو کے اسلامک مشن' ہے۔اس کی تاسیس ۱۹۶۲ء میں ہوئی۔ پورے ملک میں اس کی ۳۴ برانچیں ہیں جو تعلیم وتربیت کے کاموں میں مصروف ہیں۔

۱۲۔ میرے تیسرے بھائی ہیں اور فلاحی ہیں عربی ڈیپارٹمنٹ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا ہے۔

۱۳۔ میرے پہلے بیٹے کی پیدائش کی خبر کی طرف اشارہ ہے، قرۃ العین شمس اثری نام ہے۔

۱۴۔ راقم کے چھوٹے بھائی جو اس وقت دہلی میں مقیم ہیں اور جامعہ سے ۱۹۸۷ء میں عالمیت کی ڈگری حاصل کی۔اور پیشہ کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں۔

۱۵۔ ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۳ء میں آٹھ خطوط موصول ہوئے، سب کے سب جمعیۃ الطلبہ کے مسائل اور سرگرمیوں پر مشتمل ہیں۔

۱۶۔ ۱۹۸۳ء میں لائبریرین کی حیثیت سے تھے۔انھوں نے ہمارے اس رپورٹ کو پڑھ کر لکھا تھا جو دعوت میں 'یو کے اسلامک مشن برطانیا' کی کانفرس کی رپورٹ چھپی تھی، جس میں مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے اور ان کے ساتھ سید یوسفؒ سیکریٹری جماعت اسلامی ہند بھی تھے۔ یہ کانفرنس ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹ اگست ۱۹۸۳ء میں شہر برمنگھم میں ہوئی تھی۔ مولاناؒ کی شرکت کی وجہ سے کانفرنس کی اہمیت دوبالا ہوگئی تھی۔

۱۷۔ ۱۹۸۳ء اور ۱۹۸۴ء میں تین خطوط موصول ہوئے اور ''الفلاح'' میگزین کی اشاعت اور علی گڑھ میں اسکالرشپ کے بارے میں جس کا اعلان 'ریڈینس' میں شائع ہوا تھا اور 'جمعیۃ الطلبہ' سے متعلق مسائل کا ذکر ہے۔

۱۸۔ عبدالبراثری فلاحی کا ایک خط موصول ہوا 'الفلاح' کے لیے پیغام بھیجنے کے لیے لکھا جو شائع ہونے والا تھا۔

۱۹۔ ۱۹۸۷ء میں تین خط موصول ہوئے، جن میں جمعیۃ الطلبہ کی سرگرمیوں کا ذکر موجود ہے۔

۲۰۔ 'امپیکٹ انٹرنیشنل' ایک ویکلی پرچہ تھا جس کا اجراء ۱۹۷۱ء میں ہوا اور اس کے ایڈیٹر حاشر فاروقی تھے، لیکن وہ ۲۰۰۵ء میں بند ہو گیا اس میگزین نے مسلم امہ کی بڑی خدمت انجام دی۔ عالم اسلام اور دنیا کے مسلمانوں کے مسائل کو بہت ہی مثبت انداز میں پیش کیا ہے۔ یہ اس وقت کی بات جب یورپ میں مسلمانوں کی کوئی آواز نہیں تھی اور وہ حالات کا تجزیہ کرنے میں بہت محتاط اور مستند طریقہ سے پیش کرتے تھے۔ دراصل وہ مسلم امہ کے اندر سیاسی بیداری کو اپنی ترجیحات رکھتے تھے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلم امہ کے اندر سیاسی سوج بوجھ کو فروغ دینا ضروری ہے۔ اس کے بغیر دشمن کو زیر نہیں کیا جاسکتا اور اسی کی کمی وجہ سے مسلم امہ اپنے مقصد کے حصول میں پیچھے ہے یا ناکام ہے، 'امپیکٹ' جس آن بان سے دنیائے صحافت میں طلوع ہوا تھا تین دہاہیوں کے بعد یک لخت خاموش ہو گیا، یہ مسلم امہ کی بہت بڑی تریجڈی تھی وہ ایک ہفت روزہ میگزین کو زندہ رکھنے میں ناکام رہا لیکن محترم فاروقی صاحب اب بھی سرگرم رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی سرگرم رکھتے ہیں اور مسلم امہ کے مسائل سے بھرپور طریقہ سے دل چسپی لیتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دینی اور تحریکی تنظیموں میں سیاسی کم نگاہی کی وجہ سے وہ اپنے مقاصد کو نہیں پا رہی ہیں اور برصغیر اور عالم اسلام میں ان کی ناکامی کی وجہ یہی ہے۔

۲۱۔ 'اذان' ماہنامہ اردو میں اور 'ینگ مسلم' انگریزی میں تحریک اسلامی کے پرچے تھے اور برمنگھم سے نکلتے تھے جو دونوں اب بند ہو چکے ہیں۔ 'اذان' کے مؤسس اور نگراں مشہور عالم دین مولانا نثار احمدؒ تھے اور 'ینگ مسلم' کے ایڈیٹر محترم مقصود الرحمان تھے۔ وہ یو کے اسلامک مشن کے برمنگھم شہر حلقہ سے متعلق ہیں۔

۲۲۔ اس کی کاپی مجھے بھی ملی تھی ایک اچھی کوشش تھی۔ اسے میں نے عبدالرشید صدیقی صاحب جو لیسٹر

یونیورسیٹی میں لائبریرین تھے اور یو کے اسلامک مشن کے جنرل سیکریٹری رہ چکے ہیں۔ انھیں تبصرہ کے لیے دیا اور یہاں ہجرت کرنے سے پہلے بمبئی میں رکن جماعت تھے اور اس شہر کے ذمہ دار تھے۔ انھوں نے اسے بہت پسند کیا تھا اور سراہا اور اسے دیکھ کر چند مشورے بھی دیے تھے۔

لائحۂ عمل

دل و نگاہ

امن کی پاکیزگی
اور اخلاق کی بلندی

.........................یوں ہی حاصل نہیں ہوتی

طلب
محنت
اور ریاضت

.... کا تقاضا کرتی ہیں

خرم مرادؒ

حمد باری تعالیٰ

مدھر مسکان میں کوئل کی شیریں بیانی ہے
تیرے حمد و ثنا کی ہر طرف جلوہ فشانی ہے

قطاروں میں نظر آئیں یہ کہسار و شجر تیرے
کہیں سرو سمن بیلا کہیں پر رات رانی ہے

تو ہی قطرے سے دے دے زندگی سارے مکینوں کو
تیرا گہرا سمندر ہے، تیرا نمکین پانی ہے

کوثانی، پلیٹو، بحر اعظم، آبنائے کیا؟
جزیروں کا تو ہی خالق تیری ہی حکم رانی ہے

تیری صبر و شکیبائی ہمیں ہر آزمائش میں
تیری تائید و نصرت یہ ہماری کام یابی ہے

ہمیں شیطان کے شر سے صدا محفوظ کر یا رب
ہمارے دین و ایماں پر مسلط قادیانی ہے

موبائل کے حسیں نغموں پہ صابر دل نہیں رکھتا
تیرے قرآن میں یوسف زلیخا کی کہانی ہے

(صابر رحیمیؔ)

غزل

اللہ نگہبان ترا، اے دل بیتاب!
ٹوٹی ہوئی کشتی ہے، بپھرتے ہوئے گرداب

جو موج حوادث کے تھپیڑوں میں پلا ہو
موتی وہی ہوتا ہے جہاں میں درنایاب

پھر آج دعاؤں میں گھٹا مانگ رہا ہے
سوکھے ہوئے تالاب میں بیٹھا ہوا سرخاب

اے زور علی، فقر ابوذر سے برومند
بے زور ترے سامنے ہر رستم و سہراب

تریاق کے کوزے میں بھرا زہر ہلاہل
اللہ رے! میخانۂ مغرب کی مئے ناب

دل توڑنے والے تجھے معلوم نہیں ہے
سوکھی ہوئی آنکھوں سے ابل پڑتے ہیں سیلاب

تو اپنی حقیقت کا شناسا نہیں ورنہ
دریا ترے دامن میں ہے اے ماہیٔ بے آب

بزمی یہ جفاؤں کے سلگتے ہوئے صحرا
اللہ رکھے تجھ کو زمانے میں ظفریاب

(سرفراز بزمیؔ)

غزل

داؤ میں اسے ہرگز بتا سکتا نہیں
جیت پر جو پیٹھ تھپتھپا سکتا نہیں

ماں کے قدموں میں جو جنت ہے، بڑی انمول ہے
ایسی جنت کی کوئی قیمت لگا سکتا نہیں

جی میں آتا ہے ملا دوں اس مین خونِ آرزو
یہ دیا ورنہ سحر تک جگمگا سکتا نہیں

کیسے استقبال ہوگا اس کا پھولوں سے بھلا
جو بچھے کانٹوں کو رستے سے ہٹا سکتا نہیں

ابتدائے عشق ہو یا انتہائے عشق
حوصلہ جس کا جواں ہو، لڑکھڑا سکتا نہیں

موت ایسی ہو کہ ہر انسان اس پر غم کرے
کوئی آسانی سے یہ دولت کما سکتا نہیں

میں اسے کہنے لگوں کیسے بڑا آخر ضمیرؔ
حوصلہ جو اپنے چھوٹوں کا بڑھا سکتا نہیں

(ضمیرؔ اعظمی)

جامعہ کے لیل ونہار

مصباح الباری فلاحی

'سیدنا یوسف علیہ السلام مسلم اقلیتوں کے لیے نمونہ' کا اجرا

۹ر جولائی ۲۰۱۹ء بروز سہ شنبہ ابواللیث ہال میں 'سیدنا یوسف علیہ السلام مسلم اقلیتوں کے لیے نمونہ' نامی کتاب کا تعارف جامعہ کے فاضل استاد جناب مولانا ولی اللہ مجید قاسمی نے کتاب کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ یہ کتاب ایک مشہور عالم دین ڈاکٹر علی محی الدین قرۃ داغی کی ہے۔اس کتاب کا اردو میں ترجمہ جناب مولانا ذکی الرحمٰن غازی مدنی صاحب نے کیا ہے۔اس کتاب میں قرآن میں وارد اسوۂ یوسفی سے غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے لیے شرعی رہ نمائی فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کتاب اپنی جگہ بہت ہی اہم ہے۔قرآنی تناظر میں غیر مسلم ممالک میں مقیم مسلمانوں کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کی سیرت وحیات قابل قدر خطوطِ کار اور لائحہ عمل ہے۔

مولانا محمد اشفاق مفتاحی کو صدمہ

۲۹ر اپریل ۲۰۱۹ء بروز دوشنبہ جامعہ کے کارکن مولانا محمد اشفاق مفتاحی کی والدہ محترمہ کی طبیعت اچانک بگڑ گئی، جامعہ کے الفلاح ہاسپٹل میں بھرتی ہوئیں اور پھر اپنے رب حقیقی سے جاملیں۔

مرحومہ صوم وصلاۃ کی پابند اور نیک وعبادت گزار خاتون تھیں۔عمر تقریباً اسی یا پچاسی سال تھی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند کرے، انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔آمین۔

جمعیۃ الطلبہ کے نئے ذمہ داران کا انتخاب

ابواللیث ہال میں جمعیۃ الطلبہ کے نئے ذمہ داران کا سال رواں ۲۰-۲۰۱۹ء کے لیے انتخاب عمل میں آیا۔نئے ذمہ داران جمعیت کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہے:

(۱)سکریٹری	انعام الرحمٰن
(۲)لائبریرین	محمد طارق عزیز
(۳)معتمد رسائل وجرائد	محمد بلال ابوبکر
(۴)معتمد خطابت	وہاج احمد
(۵)معتمد تحریر	ساجد انصاری
(۶)معتمد کھیل وورزش	شمشاد عالم انصاری
(۷)معتمد صفائی وباغبانی	صابر محفوظ

اللہ تعالیٰ تمام ذمہ داران کو اپنی ذمہ داریاں بخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

جمعیۃ الطالبات کے نئے ذمہ داران کا انتخاب

سال رواں ۲۰-۲۰۱۹ء کے لیے جمعیۃ الطالبات کے نئے ذمہ داروں کا انتخاب ہوا۔منتخب ذمہ داران کے نام اس طرح ہیں:

(۱)سکریٹری	یمنیٰ فرح
معاون سکریٹری	عارفہ شکیل
(۲)لائبریرین	ادیبہ فاطمہ
معاون لائبریرین	زریں خالد
(۳)معتمد رسائل وجرائد	ماریہ فیروز
معاون معتمد رسائل وجرائد	شبانہ محی الدین
(۴)معتمد خطابت	رابعہ سلطان
معاون معتمد خطابت	حرا راشد

(۵) معتمد تحریر	عنبرین فاطمہ
معاون معتمد تحریر	ضحیٰ طفیل
(۶) معتمد کھیل وورزش	صابرہ عالمگیر
معاون کھیل وورزش	اقصیٰ عیسیٰ
(۷) معتمد صلاۃ	شزرہ سراج
معاون معتمد صلاۃ	ہما ضیغم
(۸) معتمد باغبانی وصفائی	ماریہ سعید
معاون معتمد باغبانی وصفائی	عارفہ زید

'ملک وملت کی موجودہ صورت حال اور تحریکی مدارس کا رول' پر مذاکرہ

۲۲؍جولائی ۲۰۱۹ء بروز دوشنبہ ابواللیث ہال میں ایک پروگرام جماعت اسلامی ہند کی جانب سے زیر صدارت شیخ الجامعہ وسابق امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری منعقد ہوا۔

قاری اقبال احمد اصلاحی ندوی صاحب کی تلاوت قرآن مع ترجمہ سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ افتتاحی کلمات مہتمم تعلیم وتربیت مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ اس وقت بہت تیزی سے دنیا کے حالات بدل رہے ہیں۔ اس لیے ملک وملت کی موجودہ صورت حال اور تحریکی مدارس کا رول کے عنوان پر یہ پروگرام منعقد کیا جارہا ہے۔ چوں کہ جامعہ ایک تحریکی ادارہ ہے۔ اس لیے جامعہ کے ذمہ داروں نے اس موضوع پر پروگرام رکھا کیوں کہ یہاں کے اساتذہ وذمہ داران کی حالات پر گہری نظر ہے۔ پھر موجودہ حالات اور تحریکی مدارس کا رول کے عنوان پر مذاکرہ ہوا۔ اس مذاکرہ میں مندرجہ ذیل اساتذہ ومعلمات نے اپنی باتیں رکھیں:

(۱) مولانا انیس احمد فلاحی مدنی (معاون مہتمم وصدر مدرس)	شعبہ اعلیٰ
(۲) مولانا ولی اللہ مجید قاسمی (سابق نگرانِ اعلیٰ)	شعبہ اعلیٰ
(۳) مولانا نسیم احمد فلاحی	شعبہ ابتدائی
(۴) محترمہ سلمیٰ جلیل صالحاتی (ہیڈ معلّمہ اعلیٰ طالبات)	شعبہ اعلیٰ طالبات
(۵) محترمہ آسیہ فلاحی (سابق ہیڈ معلّمہ اعلیٰ طالبات)	شعبہ اعلیٰ طالبات

(۶) محترمہ ثمرہ یعقوب فلاحی — شعبہ ثانوی طالبات
(۷) قاری عبدالغفار قاسمی — شعبہ حفظ طلبہ
(۸) مولانا کمال الدین فلاحی (ہیڈ ثانوی طلبہ) — شعبہ ثانوی طلبہ

مولانا محمد عمران فلاحی اور ناظم جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی نے اس پروگرام سے متعلق اپنے تاثرات پیش کیے۔

اخیر میں محفل کے روح رواں اور تحریک کا طویل تجربہ رکھنے والے شیخ الجامعہ وسابق امیر جماعت اسلامی ہند جناب مولانا سید جلال الدین عمری نے صدارتی خطبہ میں فرمایا کہ ہم لوگوں کو بتائیں کہ اسی دین اور اسلام میں امن وسکون ہے۔ اسی اسلام سے دنیا وآخرت میں ہمیں کامیابی ملے گی۔ لوگوں کو راہ راست پر لانا یہی ہماری ذمہ داری ہے۔ معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ صرف گفتگو کا موضوع ہی نہ ہو بلکہ اس پر عمل کر کے دکھائیں۔ جامعۃ الفلاح ایک تحریکی ادارہ ہے۔ ہم نے جو اعلیٰ نصب العین بنایا ہے اس کی تکمیل کے لیے ہر وقت کوشاں رہیں۔ ہم نے اپنی حرکتوں سے اسلام کو بدنام کر دیا ہے اس لیے کہ ہماری کمیوں اور خامیوں کو دشمن اسلام کا نقص سمجھتا ہے۔ جب ہم خود بدلیں گے تو حالات تصورات اور افکار ونظریات بدلیں گے۔ اسلام تو اس لیے آیا کہ دنیا سے ظلم ختم ہو جائے۔ اسلام ہی نے سب سے زیادہ ظلم کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ اسلام نے طبقات ختم کیا۔ پہلے مغربی تہذیب سے ہر کوئی متاثر تھا لیکن آج اس وقت ہر شخص اپنے مذہب کو زندہ کر رہا ہے۔ چاہے وہ عیسائیت ہو یا یہودیت ۔ ہندو مذہب ہو بدھ دھرم۔ اس لیے اس وقت ہمارے لیے مذاہب کا مطالعہ بھی ضروری ہو گیا ہے۔ تاکہ ہر شخص سے اس کے مذہب کے لحاظ سے گفتگو کر سکیں۔

مدارس میں طلبہ چار فیصد پڑھتے ہیں۔ لوگوں کو اسلام سے خطرہ اس لیے ہے کہ مدارس میں احیاء اسلام کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔ ان کو جو تعلیم دی جاتی ہے، اس کی وجہ سے ہم میں ضم نہیں ہو سکتے۔ یہ مدارس ہمارے خلاف تحریک بن سکتے ہیں۔ ہم اس ملک میں اسلام کی بنیاد پر تبدیلی چاہتے ہیں۔۔ جیسا کہ جامعۃ الفلاح کہتا ہے۔ اس لیے لوگ اسے خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ ہمارے ذہن میں یہ بات مستحضر رہے کہ اسلام کا تصور کیا ہے؟ انبیاء کرام جس لیے دنیا میں آئے تھے یہ امت اسی مشن کی حامل ہے۔ یہ امت خیر امت ہے اور اس میں سب کا فائدہ ہے۔ اس بات کو پوری قوت اور شدومد کے ساتھ لوگوں کو بتانا چاہیے۔

تقسیم انعامات کی تقریب

جامعہ میں گزشتہ سال مسابقہ مقالہ نویسی ۱۹۔۲۰۱۸ء منعقد ہوا تھا۔ اس کے نتائج کا اعلان بھی گزشتہ سال کر دیا گیا تھا۔ ۲۹/ جولائی ۲۰۱۹ء بروز سہ شنبہ ایک مختصر تقسیم انعامات کی تقریب ابواللیث ہال میں منعقد ہوئی۔ اساتذہ کرام کے بدست اول، دوم اور سوم پوزیشن لانے والے طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا۔

نظامت کے فرائض جناب عبدالرحمٰن ندوی نے انجام دیے۔

ناظم جامعہ کا شعبہ اعلیٰ کے طلبہ سے خطاب

۳/ اگست ۲۰۱۹ء بروز شنبہ بعد نماز مغرب جامعہ کی مسجد میں ناظم جامعہ نے شعبۂ اعلیٰ کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوتے ہوئے فرمایا کہ آپ سب جامعہ کے نظام کی پابندی کریں۔ اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں، وقت کی قدر کریں، وقت کا صحیح استعمال کریں، اپنے وقت کو فضولیات اور لغویات کے بجائے مطالعہ میں صرف کریں اور اپنے مقصد و ہدف کو سامنے رکھیں۔ اسی کے مطابق محنت کریں۔

جمعیۃ الطلبہ کی جانب سے مسابقہ کا انعقاد

۴۔۵/ اگست ۲۰۱۹ء بروز یکشنبہ و دوشنبہ جامعہ میں جمعیۃ الطلبہ کی جانب سے 'عید الاضحیٰ' کی مناسبت سے ایک مسابقہ منعقد ہوا۔ یہ مسابقہ چار گروپ پر مشتمل تھا۔

پہلا گروپ: حفظ و ثانوی

اس گروپ میں مندرجہ ذیل طلبہ نے پوزیشن حاصل کی:

(۱) حسان عارف	اول پوزیشن
(۲) عیان بلال	دوم پوزیشن
(۳) ریان عارف	سوم پوزیشن
(۴) عبدالمومن	سوم پوزیشن

دوسرا گروپ: عربی اول ودوم

اس گروپ میں مندرجہ ذیل طلبہ نے پوزیشن حاصل کی:

(۱) عمران نذیر	اول پوزیشن
(۲) طارق اختر	دوم پوزیشن
(۳) حسان اشفاق	دوم پوزیشن
(۴) رضاء الحق	سوم پوزیشن

تیسرا گروپ: عربی سوم وچہارم

اس گروپ میں مندرجہ ذیل طلبہ نے پوزیشن حاصل کی:

(۱) انوارالقمر	اول پوزیشن
(۲) مبشر عالم	دوم پوزیشن
(۳) سید کاشف	دوم پوزیشن
(۴) امام الامم	سوم پوزیشن

چوتھا گروپ: عربی پنجم وششم

اس گروپ میں مندرجہ ذیل طلبہ نے پوزیشن حاصل کی:

(۱) روید خان	اول پوزیشن
(۲) اسماعیل حامدی	دوم پوزیشن
(۳) ثاقت کمال	سوم پوزیشن

۶/اگست ۲۰۱۹ء بروز شنبہ ابواللیث ہال میں پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو اساتذہ کرام کے بدست انعامات سے نوازا گیا۔

نگران اعلیٰ کی تذکیر

۷/اگست ۲۰۱۹ء بعد نماز عشاء جامعہ کی مسجد میں نگران اعلیٰ مولانا اظہار احمد فلاحی مدنی نے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ بقرعید کی تعطیل مختصر ہے۔ کوشش اس بات کی کریں کہ دور کے طلبہ جامعہ

میں چھٹی گزاریں۔ البتہ جو طلبہ گھروں کے لیے روانہ ہونے والے ہیں وہ اجتماعی سفر کریں، سفر کے آداب ملحوظ رکھیں۔ مسافروں کے ساتھ اچھے رویے سے پیش آئیں۔ سفر کے دوران دعوتی پہلو کو ملحوظ رکھیں، اپنے عادات واطوار اور اخلاق وکردار سے لوگوں کے دلوں کو جیتنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح گھر پر نماز کی پابندی کریں، وقت پر جامعہ سے گھر جائیں اور جامعہ میں واپسی بھی وقت ہی پر کریں۔ جامعہ کے نظام کی پابندی کریں۔ اس میں ہر ایک کے لیے بہتری ہے۔

تعطیل عیدالاضحیٰ

۱۰؍اگست تا ۱۶؍اگست ۲۰۱۹ء جامعہ میں عیدالاضحیٰ کی تعطیل کا اعلان کیا گیا۔ عیدالاضحیٰ کی تعطیل کے بعد طلبہ وطالبات اپنے گھروں سے واپس آکر دوبارہ تعلیم میں مصروف ہوگئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی کا خصوصی خطاب

۲۵؍اگست ۲۰۱۹ء بعد نماز عصر جامعہ کی مسجد میں جناب محمد اکرم ندوی کا خصوصی خطاب ہوا۔ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے مہمان خصوصی کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ شیراز ہند سرزمین جونپور سے تعلق رکھنے والے بین الاقوامی شہرت یافتہ محقق ڈاکٹر محمد اکرم ندوی، علمی دنیا کی بہت معروف شخصیت ہیں۔ خواتین کی خدماتِ حدیث پر آپ نے اعلیٰ درجے کا محققانہ کام کیا ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد کئی سال وہاں درس وتدریس کی خدمات انجام دیں، اس کے بعد ریسرچ فیلو کی حیثیت سے آکسفورڈ یونی ورسٹی چلے گئے اور دو دہائیوں تک اس سے وابستہ رہے، ایک دہائی سے کیمبرج اسلامک کالج کے ڈین ہیں اور السلام انسٹی ٹیوٹ کے مؤسس ہیں۔ برطانیہ اور دیگر ممالک میں ان کے شاگردوں کی بڑی تعداد ہے۔ مزاج میں بہت سادگی اور منہج میں بڑا اعتدال ہے۔ اپنے شاگردوں کی ایک ٹیم کے ساتھ آج کل ہندوستان کے دورے پر ہیں۔ تعلیمی اداروں اور تحقیقی مراکز کی وزٹ کرتے ہوئے جامعۃ الفلاح تشریف لائے ہیں۔ لائبریری اور مختلف شعبہ جات کو اپنے رفقاء کے ساتھ دیکھا اور بہت خوشی کا اظہار کیا۔ جامعہ سے ان کا تعلق بہت قدیم ہے۔ ان کی کئی بہنیں یہاں کلیۃ البنات سے فارغ ہیں اور فی الوقت ایک بھانجی فضیلت میں زیر تعلیم ہے۔ آپ کا گاؤں جمد ہاں ضلع جونپور ہے۔ ڈاکٹر محمد اکرم ندوی نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے مندرجہ ذیل نکات پر روشنی ڈالی:

۱۔ہمارے دورے کا مقصد ہندوستان کے تعلیمی وتحقیقی مراکز کا مشاہدہ اور تجربات سے استفادہ ہے۔

۲۔جامعہ سے تعلق بہت پرانا ہے۔حکیم محمد ایوب ندوی مرحوم کے زمانے سے آنا جانا ہے۔

۳۔جامعہ کی وسیع المشربی اور منہج اعتدال قابل تحسین ہے۔یہاں اساتذہ میں تنوع ہے۔اصلاحی فلاحی قاسمی سب ماشاءاللہ موجود ہیں۔

۴۔طلبہ عزیز کو میں توسع اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے۔اختلاف رائے ایک فطری امر ہے۔ اختلافی مسائل میں راہ اعتدال ہی پسندیدہ ہے۔مجتہدین میں اختلاف رہا ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی اختلاف رائے تھا لیکن آپ کو تعصب وتحزب نہیں ملے گا۔وسعت نظری اس لیے اختیار کیجیے کہ یہی دین کا تقاضا ہے اپنی شناخت مسلمان ہونی چاہیے۔ندوی قاسمی،مظاہری،فلاحی،اصلاحی،رشادی، سب میں تقارب کی فضا ہونی چاہیے۔

۵۔متفق علیہ مسائل کو دعوت کی بنیاد بنائیں۔فروعی مسائل کو بنائے دعوت نہ بنائیں۔اختلاف کو برداشت کریں،تعصب سے اجتناب کریں۔

۶۔اخوت باہمی کو مضبوط کریں۔انما المومنون اخوۃ کو ہمیشہ یاد رکھیں۔ایمان کا رشتہ سب سے مضبوط رشتہ ہے،یہ کمزور نہ ہونے پائے۔

۷۔جو امور بالاتفاق ممنوع ومبغوض ہیں ان کو بالکل ترک کردیں۔ایذا رسانی،الزام تراشی اور غیبت وغیرہ سے سخت پرہیز کریں۔ان کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۸۔میرا منہج اور میرا طریقہ یہی راہ اعتدال ہے۔اس لیے میری کلاس میں ہر مکتبۂ فکر کے لوگ شرکت کرتے ہیں۔

۹۔زبان اور اسلوب کو سیکھیں،تعبیر کا فن حاصل کریں۔آپ کی تقریر اور آپ کی تحریر سلیس اور عام فہم ہو۔مدرسہ کے اندر کی زبان الگ ہوتی ہے۔اسے مدرسہ کے اندر ہی چھوڑ دیں۔باہر اصطلاحات کی زبان میں بات نہ کریں۔عام لوگ کیا جانیں کہ عموم خصوص مطلق کیا ہوتا ہے اور عموم خصوص من وجہ کیا ہوتا ہے۔ان سے گفتگو عام فہم زبان میں کرنے کی عادت ڈالیں۔مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس نکتے کو سمجھا،کتنی سلیس اور عام فہم زبان استعمال کی۔مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اچھا اسلوب اختیار کیا،علامہ شبلی نعمانیؒ کا اسلوب اختیار کریں۔انہوں نے اردو زبان کو علمی زبان بنادیا اور بہترین

اسلوب نگارش کی بنیاد رکھی۔ جس کو ان کے نامور شاگردوں نے آگے بڑھایا۔ اہل علم کا یہی طریقہ ہے۔ ارسطو کے یہاں آپ کو دو خوبیاں نمایاں ملیں گی: تحقیق اور سلیس زبان۔ پیغام کو جب عام کرنا مقصود ہے، دعوت کو پھیلانا ہے تو اسلوب عام فہم ہی ہونا چاہیے۔

۱۰۔ پیغمبرانہ طریقہ دعوت اختیار کریں۔ دل سوزی پیدا کریں، فطری دلائل پیش کریں۔ قرآن کا یہی طریقہ ہے۔ دوسروں کے طریقوں کی نقل نہ کریں۔ مناظرہ، جدال، مخاصمت وغیرہ بالکل ترک کردیں۔ عیسائیوں اور قادیانیوں کے طریقے سے متاثر نہ ہوں۔ اللہ پر ایمان ہر دل کی آواز ہے۔ فطری انداز سے پیش کریں۔ قرآن میں انبیاء کے طریقۂ دعوت پر غور کریں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کتنی زبردست بات کہی: انی لاأحب الآفلین۔ میں زوال پذیر چیزوں کو پسند نہیں کرتا، تمام معبودان باطل کی تردید ہوگئی اور فطری انداز سے، معبود اور زوال پذیر یہ کیوں کر ممکن ہے؟ قرآن کو دعوت کا ذریعہ بنائیں۔

مدعو افراد کو احساس دلائیں کہ یہ تمہارا دین ہے۔ کتاب تمہاری کتاب۔ رب تمہارا رب ہے۔ رسول تمہارا پیغمبر ہے۔ یہ دعوت تو ایک امانت ہے جو میں تمہارے پاس پہنچا رہا ہوں۔

دل سوزی کے ساتھ جب دعوت اسلامی پیغمبرانہ طریقے سے پیش کی جائے گی اور پشت پر کردار کی طاقت ہوگی تو ضرور اثر انداز ہوگی۔ ان شاء اللہ۔ اللہ ہمیں انبیاء کا منہج دعوت وتربیت اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جمعیۃ الطلبہ کا یک روزہ سیمینار

۳۱/اگست ۲۰۱۹ء کو جمعیۃ الطلبہ کی جانب سے یک روزہ سیمینار بعنوان اسلام اور مستشرقین ابواللیث ہال میں منعقد ہوا۔ محمد مدثر (عربی سوم) کی تلاوت قرآن سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ توثیق کلیم، محمد شمیل اور محمد دانش نے ترانہ جامعہ پیش کیا۔ افتتاحی کلمات مولانا ذکی الرحمٰن غازی فلاحی نے پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ قابل مبارک باد ہیں وہ ساتھی جنھوں نے اس ناگفتہ بہ حالات میں اس اہم علمی موضوعات پر سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی ناگفتہ حالات میں اہم اور علمی کام کیا۔ مولانا مودودی نے بھی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اس علمی کارنامے پر حیرت کا اظہار کیا کہ کیسے اتنی یکسوئی کے ساتھ علمی کام کیا۔ مستشرقین نے جو اعتراضات کیے ہیں ہم ان کی زبان میں

جوابات دیں اس لیے مختلف زبانوں پر عبور حاصل کریں اور اپنا مطالعہ وسیع کریں۔اس سیشن میں درج ذیل طلبہ نے اپنے اپنے مقالات پیش کیے۔

(۱)سید انعام الرحمٰن	فضیلت سال اول
(۲)انوار القمر	عربی چہارم
(۳)محمد اعیان	عربی چہارم
(۴)سعد شمس	عربی پنجم
(۵)محمد عاطف	عربی چہارم
(۶)سید کاشف	عربی چہارم

صدارتی کلمات میں مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی نے فرمایا کہ اہم موضوع پر یہ سیمینار منعقد ہوا۔مولانا نے استشراق کی تعریف پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ استعمار، استغراب، استشراق اور کئی اصطلاحیں ایک ہی مقاصد رکھتی ہیں۔اسی طرح المنجد وغیرہ بھی ایک عیسائی نے لکھیں۔اور ہم اس طرح کی کتابوں سے استفادہ کرنے پر مجبور ہیں لیکن اس طرح کی کتابوں میں تاریخ مسخ کی گئی ہے۔اس لیے آپ عربی اور انگلش دونوں زبانوں میں مہارت پیدا کیجیے۔

سیمینار کے دوسرے علمی سیشن میں ریحان احمد نے ترانہ پیش کیا۔اس سیشن میں مندرجہ ذیل طلبہ نے اپنے اپنے مقالات پیش کیے:

(۱)اسامہ احسن	عربی پنجم	قرآن مجید اور مستشرقین
(۲)محمد خباب	فضیلت سال اول	فقہ اسلامی اور مستشرقین
(۳)توثیق کلیم	عربی چہارم	تفسیر اور علوم تفسیر پر مستشرقین کی تحقیقات
(۴)صفی الرحمٰن	عربی چہارم	سیرت نبویؐ اور مستشرقین
(۵)عاطف آصف	فضیلت سال اول	حدیث نبویؐ اور مستشرقین
(۶)صابر محفوظ	فضیلت سال اول	تاریخ اسلام اور مستشرقین
(۷)عارض انیس احمد	فضیلت سال اول	شاخت اور حدیث نبویؐ

صفی الرحمٰن نبیل کی عدم موجودگی میں ان کا مقالہ صارم ایوبی (عربی پنجم) اور صابر محفوظ کی غیر

موجودگی میں ان کا مقالہ شمیل احمد (عربی ششم) نے پڑھا۔

صدارتی کلمات میں جناب مولانا انیس احمد فلاحی مدنی صاحب نے موضوع کی اہمیت وافادیت اور مقالات پر علمی تبصرہ کیا۔ اس سیشن میں نظامت کے فرائض برادر یاسین منظور کشمیری (عربی سوم ب) نے انجام دیے۔

تیسرے سیشن میں مندرجہ ذیل طلبہ نے اپنے اپنے مقالات پیش کیے۔

(۱) محمد عاصم	امام زہری اور مستشرقین
(۲) ایاز احمد	جدید مفکرین کے افکار پر مستشرقین کے اثرات
(۳) معاذ احمد	استشراق کے رد میں نمایاں خدمات
(۴) عاطف سہیل	مستشرقین جو مسلمان ہو گئے

کلمات تشکر سکریٹری جمعیۃ الطلبہ نے پیش کیے۔ صدارتی خطاب میں جناب مولانا محمد طاہر مدنی نے موضوع کی اہمیت اور طلبہ کی کوشش اور محنت کو سراہتے ہوئے مبارک باد پیش کی۔ اس سیشن میں نظامت کے فرائض عبیدالرحمٰن نے انجام دیے۔

ناظم جامعہ کی تذکیر

۵ر ستمبر ۲۰۱۹ء ابواللیث ہال میں ناظم جامعہ جناب مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب کی ایک تذکیر ہوئی۔ مولانا نے اپنی تذکیر میں فرمایا کہ طلبہ کھانے پینے سے زیادہ مطالعہ اور تعلیم پر توجہ دیں۔ استاد کا درجہ ماں باپ کے برابر ہوتا ہے۔ اس لیے اساتذہ کا احترام وادب کیجیے۔ ان کی خدمت کیجیے، اساتذہ آپ پر بہت مہربان اور آپ کے بہت خیر خواہ ہیں۔ نمازوں کی پابندی کیجیے، پانچوں وقت کی نمازیں انسان کو وقت کا پابند بناتی ہیں۔ جامعہ میں جو بھی نظام بنایا جاتا ہے وہ نظام صرف اور صرف آپ کے فائدہ کے لیے بنایا جاتا ہے۔ اس لیے جامعہ کے اصول وضوابط اور نظام کی پابندی کیجیے۔ آپ اپنے اساتذہ کا، جامعہ کے نظام کا اور خود اپنا احترام کیجیے۔

محمد آصف فلاحی کو صدمہ

یکم ستمبر ۲۰۱۹ء جامعہ کے شعبۂ ابتدائی کے استاد جناب محمد آصف فلاحی کی والدہ ایک مختصر علالت

کے بعد اس دارِفانی سے کوچ کر گئیں۔مرحومہ کی عمر تقریباً ۶۳؍برس تھی۔صوم وصلاۃ کی پابند تھیں۔صبر شکر کا پیکر تھیں۔یکم ستمبر کو بعد نماز عشاء ناظم جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی نے نماز جنازہ پڑھائی۔جناب محمد آصف فلاحی تقریباً بیس سال سے جامعہ میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔آمین۔

مولانا مبشر عالم ندوی کا خطاب

۴؍ستمبر ۲۰۱۹ء ابواللیث ہال میں مولانا مبشر عالم ندوی کا خطاب ہوا۔مولانا نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ جامعۃ الفلاح ایشیا کا ایک عظیم اور تحریکی ادارہ ہے۔یہ آپ کے لیے بڑے شرف کی بات ہے کہ آپ نے اس عظیم ادارہ کا انتخاب کیا۔

حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا ایک جملہ مجھے یاد آرہا ہے کہ اگر کوئی مسجد میں پیشاب کرے تو بڑے تعجب کی بات ہوگی،اسی طرح کوئی استنجا خانہ کے قریب بستر لگا کر لیٹے تو یہ بڑے تعجب کی بات ہوگی۔ٹھیک اسی طرح اگر مدارس سے علماء کے بجائے چور اور ڈاکو نکلیں تو بڑے تعجب کی بات ہوگی۔اس لیے اس عظیم ادارہ اور یہاں کے اساتذہ سے استفادہ کیجیے۔یہ ادارہ تحریکی ہے یہاں دعوت دین کی کھیپ تیار کی جاتی ہے۔اس لیے آپ دعوتی میدان میں آئیں۔یہ انبیائی مشن ہے،دنیا آپ کی پیاسی ہے۔دنیا کی پیاس کو آپ ہی مٹا سکتے ہیں۔اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کیجیے اور پوری زندگی دین کی سربلندی میں لگا دیجیے۔

دو کتابوں کا رسم اجرا

۹؍ستمبر ۲۰۱۹ء بروز دوشنبہ ابواللیث ہال میں دو کتابوں کا رسم اجرا عمل میں آیا۔پہلی کتاب کا نام 'قبولیت دعا کے حیرت انگیز واقعات' ہے۔یہ کتاب کویت کے شیخ مسلم عبدالعزیز الزامل کی ہے اور اس کتاب کے ترجمہ کا کام جامعہ کے فاضل استاد جناب مولانا ولی اللہ مجید قاسمی نے انجام دیا ہے۔

اس کتاب کا تعارف جامعہ کے فاضل استاد جناب مولانا ذکی الرحمٰن غازی فلاحی مدنی صاحب نے کراتے ہوئے فرمایا کہ یہ کتاب دعا کے فضائل،آداب،قبولیت دعا کے شرائط،اوقات واحوال اور

دوسرے اہم موضوعات پر مشتمل ہے۔ نہایت اختصار اور جامع انداز میں ساری چیزیں پیش کی گئی ہیں۔ کتاب کا ترجمہ آسان تر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دوسری کتاب 'فقہ السنۃ' ہے۔ یہ کتاب مصر کے ایک مشہور عالم دین جناب السید السابق کی ہے اور اس کتاب کے ترجمہ کا کام جامعہ کے فاضل استاد ولی اللہ مجید قاسمی نے انجام دیا ہے۔

اس کتاب کا تعارف سابق ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی نے کراتے ہوئے فرمایا کہ یہ کتاب اخوان کے مشہور عالم السید السابق کی ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی بہت سی خصوصیات ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کتاب کو اردو زبان میں منتقل کیا جائے۔ چنانچہ جامعہ کے فاضل استاد جناب مولانا ولی اللہ مجید قاسمی صاحب نے اردو میں منتقل کیا۔ ترجمہ کا اسلوب نہایت شان دار اور آسان تر ہے۔ اس سعی پر مترجم مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اس کتاب کا مقدمہ حسن البنا شہیدؒ نے لکھا ہے۔ اس کتاب میں عصبیت نہیں ہے۔ اس کتاب میں عبادات، طہارت، قربانی، جہاد، عقائد اور دوسرے اہم موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس کتاب میں تعلیقات اور جگہ جگہ اہم نوٹ مولانا مترجم نے لگا دیے ہیں جس سے اس کتاب کی اہمیت میں دو چند اضافہ ہو گیا ہے۔

نظامت کے فرائض جناب مولانا عبدالرحمٰن ندوی نے انجام دیے۔

اخبارانجمن

بھساول یونٹ کی نشست

ملت نگر بھساول کی الفلاح مسجد میں انجمن طلبۂ قدیم بھساول یونٹ کی نشست کا آغاز مولانا شبیر حیدرفلاحی کی تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔

شرکاءنشست میں فیصل فلاحی نے گزشتہ میقات کی روداد بیان کی۔اطراف بھساول یعنی آکولہ، جلگاؤں اور مالیگاؤں میں مقیم فلاحی برادران سے ربط کرنے نیز باہمی تعلقات اور ایک دوسرے کی سرگرمیوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے آئندہ مذکورہ مقامات کے فارغین کا یک روزہ اجتماع کےانعقاد پرتجاویزومشورے پیش کیے گئے۔

اس نشست میں ڈاکٹر ایم یونس فلاحی نے انجمن طلبۂ قدیم کی سرگرمیوں اورآئندہ کے پروگرام کی معلومات فراہم کی۔صدر یونٹ شبیر حیدرفلاحی کی دعا پرنشست اختتام پزیر ہوئی۔اس نشست میں سید فیصل فلاحی ڈاکٹر یونس فلاحی اورعبدالرحیم فلاحی وغیرہ نے شرکت کی۔

مڈل ایسٹ میں ملازمت کے خواہش مند حضرات کے لیے

ایک قابل اعتماد ادارہ

الہند فارن سروس ایجنسی

- اگر آپ میڈیکل لائن سے متعلق ہیں
- اگر آپ کوئی ہنر جانتے ہیں
- اگر آپ صرف پڑھے لکھے ہیں اور آپ کے پاس کوئی ہنر نہیں ہے
- اگر آپ کا کسی ہوٹل انڈسٹری سے تعلق ہے
- اگر آپ عام لیبر یا مزدور ہیں

تو آپ اپنے پاسپورٹ کی کاپی، فوٹو اور بائیوڈاٹا ہمیں بھیج دیجیے......اور
دیگر تفصیلات کے لیے ہماری اطلاع کا انتظار کیجیے۔

وكالة الهند للخدمات الأجنبية

AL-HIND FOREIGN SERVICE AGENCY

Registration No.: B-0376/DEL/PER/1000+/5/1263/1984

Head Off: No. 73, Main Road, Near SBI
Zakir Nagar, New Delhi-110 025 (India)
E-mail: info@al-hind.com

Ph : 0091 - 11 - 26983980, 26983981
0091 - 11 - 26988375 / 76
Fax : 0091 - 11 - 26983982

Web: www.al-hind.com

Branch Office: 38, G.F. Ashoka Shopping Complex, Near G.T. Hospital
L.T. Road, Mumbai - 400 001 (India)
Ph. : 0091-22-22652906 Fax: 0091 - 22 - 22652910

JARIDA HAYAT–E–NAU
August, September-2019

RNI No: DELURD/2015/65862
Vol. IV Issue-VIII-IX

انجمن ھاسٹل کی تعمیرمرحلہ بہ مرحلہ